عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی !!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

صفر و ربیع الاوّل ۱۴۳۳ھ/جنوری و فروری ۲۰۱۲ء

RegNo.P476

جلد:دھم

شمارہ:5,6

فہرست

فی شمارہ: 15/- روپے

سالانہ بدل اشتراک: 200/-روپے

ملنے کا پتہ: پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای۔میل: physiologist72@yahoo.com

saqipak99@gmail.com

www.darwaish.org

اسلام کا نظریۂ تعلیم (۱۹۶۸-۱۰-۲۳) (قسط-۱)

(حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ)

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم: اما بعد!

اعوذ بااللّٰہ من الشیطن الرجیم .

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم.

ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون

میرے عزیز و اور دوستو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ کریم میں جو آیت میں نے پڑھی اس میں ایک بات ارشاد فرمائی ہے، کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ لوگ جو نہیں جانتے۔

آپ جانتے ہیں کہ یہاں استفہامِ انکاری ہے یعنی برابر نہیں ہو سکتے وہ لوگ جو کہ جاننے والے ہیں اور جو نہیں جاننے والے۔ اب جہاں تک کہ اسلام کے نظریۂ علم کا تعلق ہے۔ اسلام کے نزدیک علم اتنی اونچی، ارفع واعلیٰ چیز ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی دوسری چیز نہیں ہوسکتی۔ بلکہ بعض علماء کے نزدیک (اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات میں ایک کو دوسرے پر فوقیت دینا تو مناسب نہیں ہوگا لیکن بہرحال ظہور کے لحاظ سے اور عطا کے لحاظ سے) علم کی صفت تمام صفات سے اونچی ہے اور مولانا نانوتویؒ نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں بلکہ تمام انبیاء کی صفات میں سب سے بڑھ کر ان کی علمیت کی صفت ہوتی ہے اور نبوت حقیقتاً اللہ کی علمی صفات ہی کا ظہور ہے، اللہ کی علم کی صفت ہے جو کہ نبی پر کھلتی ہے اور نبی اس چیز کو لے کر آگے بڑھتا ہے۔ اب علم جب اتنی اونچی چیز ہے تو اس بناء پر قرآن نے کہا کہ ہم نے رفع دی ہے، بلندی دی ہے ان لوگوں کو جو علم کے رکھنے والے ہیں۔

والزین اوتو العلم درجات

اب علم کسے کہتے ہیں، وہ علم کونسا ہے جس علم کی بناء پر انسان کے درجات بلند ہوئے اور وہ سب سے اونچا چلا گیا اور اسے بلندیاں عطا ہوئیں؟ دوستو! ہمارے نزدیک حقیقت میں علمِ اصلی وہی ہے اور علمِ حقیقی وہی ہے جو انسان پر خداوند قدوس کی معرفت کے دروازوں کو کھول دے۔ بقول سعدی شیرازی

ع سعدی بشوئے لوحِ قلب از نقشِ غیرِ او

علمے کہ راہ حق نہ نماید جہالت است

ترجمہ: اے سعدی اپنے دل کی تختی کو اللہ کے غیر کے نقشوں سے دھو ڈال۔ ہر وہ علم جو کہ حق بات کو نہیں بتا تا وہ جہالت ہے اور اللہ کی راہ سے ہٹانے والا ہے۔

اب وہ علم کونسا ہے جو کہ انسان کو خدا تک پہنچائے اور وہ علم کونسا ہے جو کہ انسان کے رابطے کو خدا کی ذات کے ساتھ قائم کر دے۔ وہ وہی علم ہے جو کہ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے انسانوں پر کھولا جاتا ہے اور سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے سینے اس علم کے حامل بنتے ہیں اور جس طور پہ ہر نبی اپنی شان کے مطابق خدا کے علوم کا حامل ہے اور اس کا علم انتہائی ارفع واعلیٰ ہے اسی طور پر سید الانبیاء حبیبِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ نبوت کی سیادت کے مقام پر فائز ہیں تو وہ علوم جو کہ آپؐ کی ذات سے صادر ہوئے وہ تمام علوم پر سیادت کا درجہ رکھتے ہیں اور ان علوم کا کوئی دوسرا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اب اس چیز نے حقیقت کے لحاظ سے جو علم کھولا سینۂ نبوت پر وہ خدا کا علم ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو علوم کھلے ان کی دو نوعیتیں ہیں، ایک علم وہ ہے جو کہ فرشتے کے ذریعے سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر باہر سے ڈالا گیا اور آپؐ کے قلبِ مطہر پر وہ علم جبرئیل امین کے واسطے سے اترا اور اپنے الفاظ اور معانی اور اپنی حقیقت کے لحاظ سے وہ سب کا سب کلامِ الٰہی ہے، اس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ تو ذہنی نہ قلبی حیثیت کا دخل ہے۔ جیسے کہ فرشتہ جبرئیلِ امین علیہ السلام قرآن کے لانے میں امین ہیں اسی طور پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن کو لفظ و معنیٰ کے لحاظ سے لینے کے لحاظ سے امین ہیں اور پہنچانے کے لحاظ سے امین ہیں ۔ جبرئیل فرشتہ بھی امانت والا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی امانت والے ہیں ۔ آپ ؐ کے نہ ذہن نے اس میں کام کیا نہ آپ ؐ کے دل نے اس میں کام کیا ، یہ بات میں خاص طور سے کہہ رہا ہوں آجکل ایک فتنہ اٹھا ہے اس کے لحاظ سے کہہ رہا ہوں ۔ نہ آپ ؐ کے ذہن نے اس میں کام کیا ، نہ آپ ؐ کے دل نے اس میں کام کیا ، نہ آپ ؐ کی شخصیت اس پر اثر انداز ہوئی ۔ بلکہ یوں کہئے کہ بلا تشبیہ قرآنِ کریم ایک کیسٹ ہے تو کیسٹ میں الفاظ بھی کہنے والے کے ہوں گے ان کے اندر جو معانی ہوں گے وہ بھی اسی کے ہوں گے لہجہ تک اسی کا ہوگا ۔ اسی طور پر قرآن کریم جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر اترا وہ الفاظ و معانی اور لہجہ ہر لحاظ سے خاص خدا کا کلام ہے ۔ اس میں نہ تو جبرئیل امین علیہ السلام کا کوئی دخل ہے اور نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی دخل ہے ۔ قرآن نے کہا ﴿بالحق انزلناہ و بالحق نزل﴾ خدا نے اسے حق کے ساتھ اتارا اور یہ حق کے ساتھ اترا ۔ یعنی انسان تک پہنچنے میں یہ دونوں واسطے جو ہمیں دکھائی دیتے ہیں یعنی جبرئیل امین ؑ کا واسطہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ ان دونوں واسطوں میں سے کسی نے بھی اپنی طرف سے ملاوٹ نہیں کی یہ سب کا سب خدا کا کلام ہے ۔ اسے ہم وحی متلو کہتے ہیں یعنی وہ وحی جو کہ پڑھی گئی ہو (جس کی تلاوت کی جاتی ہو) اور دوسرا علم جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے پر اترا ، اس کی حقیقت الہامی ہے ۔ جو الہام ربانی ہوتا ہے وہ دل کے اندر سے پھوٹتا ہے اور اس کے الفاظ جو ہوتے ہیں وہ جس پر الہام ہوتا ہے اس کے اندر سے پھوٹ کر لفظ اس کے اپنے ہو جایا کرتے ہیں ۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ علم جسے کہ ہم حدیث کا علم کہتے ہیں اس کا اصلی سوتا (چشمہ) بھی خدا کا علم ہے لیکن الفاظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں ۔ اس میں صرف اتنی سی بات ہے کہ جو حدیث قدسی ہے اس کا مفہوم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر ڈالا گیا اور آپ ؐ کی زبان سے وہ الفاظ نکل گئے ۔ یہ تو ہوئی علم کی وہ بنیاد جس بنیاد پر دین کا علم محمد صلی

اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ظاہر ہوا یعنی یوں کہئے کہ جتنے بھی علوم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی سے وجود میں آئے وہ علوم محمدیہ نہیں کہے جائیں گے بلکہ انھیں علومِ الٰہیہ کہا جائے گا ۔ ہر اس علم کی، جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے صادر ہوا، نسبت ثانی ہوگی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لیکن ان کی نسبت اصلی یعنی منبع کے لحاظ سے، سوتوں کے لحاظ سے خدا کی طرف ہوگی ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم علوم الٰہیہ کے حامل ہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم علوم الٰہیہ کے عالم ہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم علوم الٰہیہ کے قاسم ہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم علوم الٰہیہ کے پہنچانے والے ہیں ۔ وہ اپنی ذات سے کچھ نہیں کہتے وہ سب خدا سے لے کر کہتے ہیں، خدا سے سُن کر کہتے ہیں ۔

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی (سورۃ نجم ۔ ۳،۴)

ترجمہ: اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا ۔ (معارف القرآن)

آپؐ کا سب کا سب علم خدائی علم ہے اور خدا کا دیا ہوا علم ہے ۔ اب جب خدا کا علم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تک آیا اور آپؐ نے اسے اپنایا اور آپؐ نے اسے اپنی زندگی میں سمویا اور وہی چیز آپؐ کے جسد سے اعمال کی صورت میں وجود میں آئی ۔ علم کو آپ اتنا نہ سمجھئے، عام طور پر علم کو معلومات کے معنیٰ میں لے لیا جاتا ہے، دینی علم نری معلومات نہیں ہوتیں، دینی علم اللہ کا نور ہے اور وہ بقول امام مالکؒ کے

نور نزل اللّٰہ علی قلوب عباد المؤمنین

ایک اللہ کا نور ہے جو کہ اللہ تعالیٰ مؤمن بندوں کے دلوں پر ڈالتا ہے ۔ یہ نورِ ربانی ہے جو کہ بندۂ مؤمن کے قلب پر وارد ہوتا ہے اور اس کا سینہ روشن ہو جاتا ہے حقائق کے کھلنے کے لیے ۔ دیکھو! میں ایک بات عرض کروں قرآن کریم یا وہ علومِ الٰہیہ جو کہ خدا کی طرف سے آتے ہیں ان کی نوعیت کچھ اس رُخ کی ہوتی ہے آنکھ دیکھتی ہے لیکن آنکھ اپنے رخ سے نہیں دیکھتی بلکہ آنکھ اپنی بینائی سے دیکھتی ہے، یہ جتنا بھی محسوسات اور کائنات کا

عالم ہے آپ اسے اپنی آنکھ سے دیکھیں گے لیکن آپ کی آنکھ اسے نہیں دیکھے گی بلکہ آپ کی آنکھ کی بینائی دیکھے گی اسی طور پر جیسے کہ اس آنکھ کے لیے اس عالم کو دیکھنے کے لیے بینائی کی ضرورت ہے حقائق کے جاننے کے لیے، آخرت کے جاننے کے لیے، خدا کے علوم کو جاننے کے لیے، ان کے سمجھنے کے لیے جس بینائی کی ضرورت ہے، جس نور کی ضرورت ہے اس نور کو ہم الٰہی علوم کہتے ہیں، علوم الٰہیہ جو نبیوں کے ذریعے سے انسانوں پر کھولے جاتے ہیں۔ جب یہ علوم انبیائی آئیں گے اور ان کا عکس اور پرتو آپ کے دلوں پر ہوگا اور آپ کے دل پر خدا والے علوم اتریں گے اس وقت نوعیت یہ ہوگی کہ آپ کا دل کھلے گا۔ جیسے قرآن کہتا ہے

افمن شرح اللّٰہ صدرہ للاسلام وھو علیٰ نور من ربہ

جس کے سینے کو ہم اسلام کے لیے کھول دیتے ہیں وہ اللہ کی طرف سے ایک روشنی پر قائم ہو جاتا ہے۔ جب یہ روشنی آتی ہے تو سینہ روشن ہو کر حقائق کو دیکھنے لگ جاتا ہے ۔ جیسے چیزوں کی تمیز آپ اپنی آنکھ سے دیکھ کر کرتے ہیں کہ یہ لکڑی ہے یہ لوہا ہے، یہ پانی ہے، یہ دودھ ہے، اسی طور پر محسوسات کو آپ اپنی آنکھ سے دیکھیں گے اور جو مغیبات ہیں ، وہ چیزیں جن پر عقیدہ لایا جاتا ہے یا موت کے بعد والی چیزیں ان سب کی بینائی اور دیکھنے کی طاقت جس علم سے حاصل ہوتی ہے انھیں علوم نبوت کہتے ہیں۔ یہ علم جب انسانوں کو دے دیا جاتا ہے تو اس کے بعد انسان کی حیثیت ایسی نہیں ہوتی کہ اس کی زندگی ان لوگوں کی طرح ہو جائے جو کہ اس علم کو رکھنے والے نہ ہوں۔ دیکھو قرآن کریم میں ایک مقام پر فرمایا

و ما یستوی الاعمیٰ والبصیر ولاالظلمات و لاالنور و لاالظل و لاالحرور (فاطر۔آیت ۱۹ تا ۲۱)

ترجمہ: اور برابر نہیں اندھا اور دیکھتا اور نہ اندھیرا اور نہ اُجالا اور اور نہ سایہ اور

نہ لو۔ (معارف القرآن)

اللہ کے علم والا بینا ہے اور اللہ کا علم جسے حاصل نہیں حقائق کے لحاظ سے وہ نابینا ہے۔ اب جو عالم ہوا آخرت کے لحاظ سے خدا کے علوم کے لحاظ سے وہ بینا ہے اور نابینا وہ ہوتا ہے جسے دکھائی نہیں دیتا۔ اس لحاظ سے آپ دیکھئے کہ سب سے پہلے بینا اور آنکھ والے جو اس دنیا میں آئے وہ انبیاء علیہم السلام ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی اس بینائی کا نور امت کی طرف منتقل ہوا اور امت کے ہر طبقے کی طرف منتقل ہوا اور جنھوں نے ان علوم کے زیادہ حصے کو اپنایا وہ عالم کہلائے۔ جیسے کہ حدیث میں آتا ہے

العلماء ورثة الانبياء

علماء وارث ہیں انبیاء کے۔

وراثت سب سے زیادہ جس چیز کی ہوگی وہ خدائی علم ہے۔ اب خدائی علم آنے کے بعد انسان کی نوعیت کیا ہوتی ہے؟ جس پر خدا کا علم کھلا کرتا ہے وہ سب سے پہلے خدا کا جاننے والا بنتا ہے۔ علم الٰہیہ کا حاصل یہ ہے کہ ہم خدا کو جاننے والے بنیں، خدا کے پہچاننے والے بنیں، خدا کی معرفت والے بنیں، حقائق کے سمجھنے والے بنیں، موت و حیات کے حقیقی رازوں سے واقف ہو جائیں۔ جب علم الٰہی آئے گا تو علم الٰہی آنے کے بعد پہلی بات جو آپ کے دلوں پر آئے گی وہ یہ ہوگی کہ جو کچھ بھی اس دنیا میں ہو رہا ہے یہ پورا کا پورا کائنات کا نظام اپنی ذات سے قائم نہیں، خدا کی ذات سے قائم ہے۔ یہاں جتنے بھی احوال اعمال جو کچھ بھی پیش آرہا ہے یہ خدا کی ذات سے آرہا ہے خدا اس کو کرنے والے ہیں یعنی سب سے پہلے جب علم الٰہی آتا ہے تو انسان کا تعلق مخلوق سے ایک معنیٰ میں منقطع ہو جاتا ہے یا یوں کہئے کہ مخلوق کا تعلق مغلوب ہو جاتا ہے اور خدا کا تعلق غالب آجاتا ہے۔ اس وقت علمِ الٰہی کے آنے کے نتیجے کے طور پر انسان خدا والا بنے گا اور اس کی نگاہ میں ہر غیر اللہ نیچے چلا جائے گا اور خدائے واحد ہر مقام پر ہر آن اس کے دھیان میں بسے گا۔ خدا کو اپنا مقصد

زندگی بنا کے وہ زندگی کی ہر راہ پر قدم اٹھائے گا اور پھر جب قدم اٹھائے گا تو اس قدم کے اٹھانے میں سب سے پہلے اس کا مقصد یہ ہوگا کہ اللہ مجھ سے راضی ہو جائے اور اللہ کی رضا حاصل ہوگی ان علوم پر عمل کے ذریعے سے جو کہ انبیاء علیہم السلام لے کر آئے ہیں۔ خدا کی رضا کا پتہ بھی انہی علوم کے ذریعے سے چلے گا اور اس پر عمل کا راستہ بھی انہی ذرائع سے معلوم ہوگا۔ اس کے بعد تیسری چیز جو ہم پر کھلے گی وہ کیا ہوگی۔ دیکھو! جن پر علوم الہیہ کھلتے ہیں وہ اس کے امین ہوتے ہیں۔ سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لوگوں نے اعتراض کیا کہ ابو ہریرہ تم بعد میں آئے تم اتنی روایتیں کیوں بیان کرتے ہو۔ کہنے لگے اگر قرآن کی یہ آیت نہ ہوتی تو میں نبیؐ کی کوئی بات بھی تم سے بیان نہ کرتا۔ انہوں نے آیت پڑھی

ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدی من بعد ما بینٰہ للناس فی الکتٰب اُولٰئِکَ یلعنھم اللّٰہ و یلعنھم اللّٰعنون۔

(بقرہ۔ ۱۵۹)

ترجمہ: بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے اُتارے صاف حکم اور ہدایت کی باتیں بعد اس کے کہ ہم ان کو کھول چکے لوگوں کے واسطے کتاب میں، اُن پر لعنت کرتا ہے اللہ اور لعنت کرتے ہیں ان پر لعنت کرنے والے۔

فرمانے لگے اگر قرآن کی یہ آیت نہ ہوتی تو میں تم سے ایک بات بھی بیان نہ کرتا۔ میں تو اس لیے کر رہا ہوں کہ مجھ پر علمِ الٰہی کچھ کھلا ہے اور مجھ پر یہ لازم کر دیا گیا کہ میں اسے آگے پہنچا دوں۔ اسی طور پر مسلم نے روایات نقل کی ہیں حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے جب ان کی موت کا وقت آیا، آخری وقت آیا تو انھوں نے یہ روایت بیان کی

من قال لاالہ الا اللّٰہ دخل الجنۃ

ترجمہ: جو لا الہ الا اللہ کہے گا جنت میں داخل ہو جائے گا۔

ساتھ مسلم شریف میں یہ الفاظ ہیں کہ انھیں یہ ڈر تھا کہ اگر وہ دنیا سے چلے جائیں تو ایک علم کا حصہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ان پر کھلا تھا دنیا اس سے محروم نہ ہو جائے کیونکہ علم امانت ہے یہ دوسروں تک پہنچائی جائے گی ۔اگر علم اگلوں تک نہیں پہنچایا جائے گا تو رفعِ علم شروع ہو جائے گا دین کا اٹھنا شروع ہو جائے گا۔علم کے ساتھ عمل قائم ہے۔علم و عمل کے جوڑ سے دین وجود میں آتا ہے جب علم نہیں ہوگا تو عمل نہیں ہوگا، جب عمل نہیں ہوگا تو دین نہیں ہوگا۔اس بناء پر یوں کہا جائے کہ علم والے پر لازم ہے جتنا وہ علم کو جانتا ہے اسے دوسروں تک پہنچائے ۔مسلم شریف میں ایک دوسری روایت ہے یہ جو میں نے حدیث پڑھی کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اس کے الفاظ کو اگر تم لوگوں تک پہنچا دو تو لوگ اس کا غلط معنیٰ سمجھ کر ممکن ہے عمل سے غافل نہ ہو جائیں ۔لا الہ الا اللہ کہنے کا مدعا یہ ہے کہ جیسے دوسری روایات میں آتا ہے کہ ''جس نے لا الہ الا اللہ یقین سے کہا اور اس کا حق ادا کر دیا تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا''۔کسی نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ !اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا کہ کلمے کا حق یہ ہے کہ اسے ان تمام چیزوں سے روک دے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے ۔تو میں یہ عرض کر رہا تھا اسی طور پر عبادہؓ ابن صامت سے یہ روایت ہے کہ انھوں نے بھی موت کے وقت اس حدیث کو بیان کیا اس خیال سے کہ صحیح علم کا ایک حصہ میرے ساتھ اس دنیا سے اٹھ جائے تو کل قیامت کے دن مجھے شرمندگی اٹھانی نہ پڑے ۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جب علم آتا ہے تو زندگی بدلتی ہے، مقصدِ زندگی بدلتا ہے، عملی زندگی بدلتا ہے اور بدلنے کے ساتھ صرف یوں نہیں ہوتا کہ ہم اگر حامل علم بن گئے عاملِ علم بن گئے تو یہ کفایت کر جاتا ہے یہ بات کفایت نہیں کرتی یہ بہت بڑی دولت

ہے جیسے کہ حدیث میں آتا ہے کہ ”جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا معاملہ فرمانا چاہتے ہیں یفقھہ فی الدّین اسے دین میں فقاہت عطا فرما دیتے ہیں۔ سمجھ عطا فرما دیتے ہیں۔ لیکن علم کا لینا اس وقت کافی نہیں ہو جاتا کہ آپ علم والے ہو گئے اور آپ نے علم کا حق ادا کر دیا، علم جتنی اونچی شان کا ہے اس کی ذمہ داریاں بھی اتنی ہی اونچی ہیں۔ علم اپنے جاننے والے سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس کی زندگی بھی علم کے نظریئے کے مطابق ہو۔ دیکھئے قرآن میں آتا ہے

انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء

اللہ سے حقیقت میں وہی لوگ ڈرتے ہیں جو خدا کے علمِ صحیح کو رکھتے ہیں۔

یعنی جتنا علم آئے گا اتنی خدا کی خشیت آئے گی اور جتنی خدا کی خشیت آئے گی اُتنا ہی گناہوں سے دور ہوگا۔

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆☆☆

اطلاع

آئندہ ماہانہ اجتماع انشاءاللہ ۱۸ فروری بروز ہفتہ خانقاہ میں منعقد ہوگا۔ بیان عشاء کے بعد ہوگا۔

بیان۔ ذھنی و جسمانی صحت (۲۰۱۱-۰۳-۲۷)

(حضرت ڈاکٹر حاجی فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ)

انسان جو اللہ تبارک وتعالیٰ کا تعلق حاصل کرتا ہے اس کا ذریعہ یہ بدن ہے۔ بدن کی صحت ہوگی تو اس کو قربِ الٰہی کے مدارج طے کرنے بھی آسان ہوں گے اور زیادہ طے کر سکے گا۔ لہٰذا اس کو صحت کی ضرورت ہے۔ صحت دو طرح کی ہے۔ ایک صحت بدنی ایک صحت ذہنی۔ آدمی کا بدن بھی صحت مند ہو اور ذہن بھی صحت مند ہو۔ اس لئے بدنی اور ذہنی صحت دونوں کے حاصل کرنے کو شریعت نے ایک ضروری عمل ٹھہرایا ہے۔ آدمی ایسی ترتیبوں کو اختیار کر رہا ہو جو اس کی صحت کو خراب کریں تو یہ بھی معصیت اور گناہوں میں سے ایک گناہ ہے۔ اس لئے یہ بدن اور بدن کی صحت ہماری نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ یہ بدن اللہ پاک نے ہمارے حوالے کیا ہے اور اس کے بارے میں ایک ایک بات کی باز پرس ہوگی۔ خودکشی کو حرام کیوں قرار دیا گیا؟ اس لئے کہ بندے نے اللہ کی دی ہوئی امانت کو ضائع کر دیا۔ اسی طرح آدمی نے ایسی ترتیب اختیار کی جس سے صحت ضائع ہوگئی یا جو صحت کو خراب کرے تو یہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ ہے ایسے ہی جیسے فرض واجب کے ترک کرنے سے ہوتا ہے۔ اگر تکلیف تھوڑی ہو تو صغیرہ گناہ ہے۔ اسی لئے جب تک نسوار تمبا کو کی معمولی معمولی تکلیفیں بیان کی جا رہی تھیں تو یہ مکروہات میں سے آ رہی تھیں۔ اب جب ڈاکٹر صاحبان نے تحقیقاتی امور سے ثابت کیا کہ نسوار سے منہ کا کینسر ہوتا ہے۔ اس موضوع پر بندہ کے ایک دوست ڈاکٹر ہمایون شاہ صاحب سابق پرنسپل ایوب میڈیکل کالج کا M.Phil کا thesis (مقالہ) ہے جس میں انھوں نے خرگوشوں کے منہ میں کچھ عرصہ نسوار ڈال کر یہ ثابت کیا ہے کہ اس سے ان خرگوشوں کو منہ کا کینسر ہوا۔ تمبا کو سے جو دل کی بیماریاں اور heart attack (دل کا دورہ) اور موت واقعہ ہوتی ہے تو ان دونوں کو بھی کبیرہ گناہوں میں شامل کیا ہوا ہے۔ مصر کا فتویٰ کبیرہ گناہوں کا ہے۔ اور پاؤڈر (ہیروئن) پر سعودی سر قلم کرتے ہیں۔ سعودیہ میں شرعی حکومت ہے شریعت نافذ ہے۔ انھوں نے ہیروئن کی خرید و فروخت اور سمگل کرنے، لے جانے پر سر قلم کا فتویٰ

کیا ہوا ہے۔ وہ اس بنا پر کہ جس آدمی کو ہیروئن کی لت پڑ گئی تو تین سال میں مرتا ہے۔ جمرود میں جا کر آپ دیکھیں یا سپین جماعت کے پاس جا کر دیکھیں تو اچھے اچھے خاندانوں کے سمجھدار، ملازمتوں والے اور مالدار لوگ آکر ختم ہو گئے۔ ہمارا ایک واقف ڈاکٹر تھا سید محمد آفریدی۔ اس نے مجھے بتایا کہ ایک دن جمرود میں ایک پاؤڈری نہایا دھویا اور صاف کپڑے پہن لئے اور کہنے لگا کہ میں تو بال بچے دار آدمی ہوں اور پنڈی میں میرے بچے ہیں اور اچھے آسودہ حالات تھے، مجھے وہ یاد آئے ہیں، میں ان کی طرف جانا چاہتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ ہم نے اس کو تیار کیا کہ چلا جائے۔ تھوڑی دیر بعد جب نشے کا وقت ہوا تو اس نے نشہ کیا اور سب کو بھول بھال گیا اور پھر اسی جگہ مر گیا۔ تو سعودیوں نے اسی بات کو دلیل بنایا ہوگا کہ چونکہ یہ چیز ایک طرح سے قتل کا ذریعہ بن رہی ہے لہٰذا جو بھی اس کو بیچے گا یا لائے لے جائے گا اس کی پھانسی ہوگی۔ اور اس کی ہوسکتا ہے گنجائش ہو کیونکہ اس آدمی نے دوسرے انسانون کی موت کا بندوبست کرلیا۔

لہٰذا جسمانی اور ذہنی صحت درست ہوگی تو کچھ حاصل ہوگا۔ مثلاً آج کل کے طلباء ہیں انٹرنیٹ پر بیٹھتے رہتے ہیں۔ تھوڑے دنوں بعد فحش سائٹوں کو دیکھنے کا شوق ہو جاتا ہے۔ ان کو دیکھتے ہیں اور ہوتی ہے جوانی تو جوش چڑھتا ہے اور بے راہ روی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ انسان کے اعضاء دل دماغ، گردے اور ہڈیاں کتنا برداشت کریں؟ ایک خاص حد تک اس کی گنجائش ہے۔ اس کے بعد تو ہڈیاں گودا اور گردہ جگر سارے بیچ میں پگھل کر بہہ رہے ہیں اور پتہ بھی نہیں چلتا۔ پتہ اس لئے نہیں چل رہا کہ ابھی stock (ذخیرہ) کافی ہے۔ لیکن سٹاک نے تو exhaust (ختم) ہونا ہوتا ہے۔ ایک بجلی کا بلب لگتا ہے تو اس کی زندگی بالفرض نوّے گھنٹے ہے۔ اب آپ کی مرضی ہے چاہے تو اسے چوبیس گھنٹے مسلسل چلا کر چار دن میں ختم کر دیں یا دس گھنٹے روزانہ جلا کر نو دن میں ختم کر دیں یا پانچ گھنٹے روزانہ چلا کر اٹھارہ دن میں ختم کر دیں۔ پتہ تو آخر بڑھاپے میں چلتا ہے۔ جیسے ہمارے ساتھی کہتے ہیں گاڑی مسنگ کر رہی ہے۔ ایکسیلیٹر دبا دبا کر بھی چڑھائی پر چڑھ نہیں رہی ہے کیونکہ اس کی فلاں فلاں جگہیں بوڑھی ہوگئی ہیں۔ تو ابھی تو بیس پچیس سال عروج کا اور جوش و خروش کا

وقت ہوتا ہے اس لئے آپ لوگوں کو پتہ ہی نہیں چلتا۔ جب تیس سال کو پار کرتے ہو تو ساٹھ سال کو پہنچ جاتے ہو۔ چالیس سال کو پار کرتے ہو تو دانت گرنا شروع ہو جاتے ہیں۔ مرضی آپ کی اپنی ہے۔

بزرگوں نے لکھا ہے اور حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے خاص طور سے بحث کی ہے کہ آدمی کا تقاضا بھوک ہے۔ اس نے کھانا کھایا سیر ہو گیا۔ اب کتنا اعلیٰ کھانا ہی کیوں نہ ہو یہ اس کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ اگر بہت سخت گرمی ہے اور آدمی نے بہت اعلیٰ لیموں اور کیوڑے کا شربت پیا جس کو کوئی پیئے تو سارے کو لے مولے بھول جائیں۔ کیوڑے اور لیموں کو ایک خاص طرز سے ملاتے ہیں اور ایک خاص مقدار چینی کی ہوتی ہے۔ ہمارا پہلا اتفاق اس طرح ہوا کہ ۱۹۷۹ء کا واقعہ ہے کہ ہم نے مسجد نبوی میں مغرب کی نماز پڑھی، سخت گرمیاں تھیں۔ ایک آدمی نے ہم سے کہا کہ آپ لوگ پاکستان ہاؤس آجائیں۔ مسجد نبوی میں باب جبرئیل تھا اور سامنے پاکستان ہاؤس کا دروازہ تھا۔ اس وقت آبادی زیادہ نہیں تھی اور تعمیرات بھی اتنی نہیں ہوئی تھیں۔ ہم وہاں چلے گئے۔ انھوں نے کہا کہ میرے لئے کھانا اور شربت آئی ہے یہ آپ لوگ بھی ہمارے ساتھ استعمال کریں۔ ہم نے ازراہِ تکلف کہہ دیا کہ ہمارا یہاں پر قیام ہے لہٰذا اجازت چاہیں گے۔ انھیں غصہ آیا تو کہا کہ دربارِ رسالت کی دعوت ہے آپ قبول نہیں کرتے ہیں۔ خیر کیوڑے کا شربت انھوں نے پلایا۔ واقعی بہت ہی لاجواب تھا۔ تو بہت اعلیٰ شربت بھی ہو آپ ایک گلاس پئیں دوسرا پئیں تیسرا پئیں آخر طبیعت سیر ہو جاتی ہے۔ بس پھر جتنا اعلیٰ شربت کیوں نہ ہو دل نہیں کرتا ہے۔ لیکن فرمایا کہ sex ایسی بھوک ہے کہ جتنا اس کے پیچھے پڑیں بڑھتی جاتی ہے جب تک کہ تجھے ہڈیوں کا پنجر نہ بنا لے اور تیری جان نہ لے لے اس وقت تک چھوڑتی نہیں۔ ہمارے حضرت مولانا صاحب مثال بیان کرتے تھے کہ بلی آئی اس نے ریگمال سے خون چاٹا اسے بڑا مزہ آیا پر خون ختم ہو گیا۔ بہرحال اس کا مزہ بہت کشش والا تھا۔ اس نے اور زبان کو مارا تو ریگمال نے اسی کی زبان کو رگڑا اور خون بہہ گیا۔ تو اس کی زبان کو اور خون لگا اور بڑا مزہ آیا۔ وہ اور چاٹتی گئی چاٹتی

گئی یہاں تک کہ ڈھیر ہوکر گری اور اپنا ہی خون چاٹ کر بس ختم ہوگئی۔ مزے کیلئے جان دیدی۔ تو حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کو علماء ہند نے حکیم الامت کا خطاب دیا۔ کچھ ساتھیوں نے فواد الفواد پڑھی ہوگی اور عوارف المعارف، غنیۃ الطالبین، فتوح الغیب وغیرہ پہلے بزرگوں کی کتابیں پڑھی ہوں گی۔ ہماری نظر سے جتنی بھی گزریں تربیت میں طبی نقطہ نگاہ سے بحث نہیں گزری کہ طبی نقطہ نگاہ سے بھی مرید کی رہنمائی کی ہو۔ تو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پہلے قویٰ مضبوط تھے۔ بیماریاں کم تھیں۔ خاص طور سے ذہنی بیماریاں بہت کم تھیں۔ اب تو بات دوسری ہے۔ تو پہلی دفعہ میں لوگوں کے حال پر غور کرتے ہوئے مولانا اشرف تھانوی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے علاج کا اور اس میں خاص طور سے ذہنی علاج پر زور دیا ہے۔ ذہنی علاج میں حکیم مراق کا علاج کرتے ہیں یبوسط کا علاج کرتے ہیں تو ان دو باتوں کا خاص طور سے علاج کرایا۔ مالیخولیا یا یبوسط دماغ کے خشک ہوجانے کو کہتے ہیں۔ ہمارے ڈاکٹر صاحبان بیچاروں کو مراق اور یبوسط کی معلومات تک نہیں ہیں جبکہ ہم اس سے بڑا کام لے کر جن ساتھیوں کا اعتقاد ہوتا ہے ان کے بڑے مسئلے حل کرتے ہیں۔ ورنہ عام آنے والے ساتھیوں کو کہتے ہیں کہ ڈاکٹر کے پاس ہی جائیں ٹیسٹ کرائیں کیونکہ پیسے آدمی کے پاس زیادہ ہوں تو ہاتھوں میں خارش ہوتی ہے اور اعتقاد تو ہوتا نہیں ہے تو ہم کیا کریں۔ جب کہ خاص ساتھیوں کو اللہ کے فضل سے بڑی بڑی مصیبتوں سے نکالا۔

میں ایک خانقاہ میں گیا وہاں حضرت صاحب کے ایک مرید آئے ہوئے تھے۔ انھوں نے آکر بیٹھتے ہی اوٹ پٹانگ باتیں شروع کیں تو ان کے خلیفہ نے کہا کہ یہ مقامِ حیرت میں گئے ہوئے ہیں۔ ہم نے پوچھا وہ کسے کہتے ہیں؟ کہنے لگے بعض ذاکرین کا ذکر اذکار کے دوران یہ حال ہوجاتا ہے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ آدمی کو ذکر اذکار کثرت سے کرائے ہیں اور آرام نہیں کیا ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک کثرت سے ذکر اذکار کرانا اور بیدار رکھنا تصوف ہے حالانکہ یہ تصوف نہیں ہے۔ حضرت تھانوی صاحبؒ نے یہ بحث لکھی ہے۔ دراصل یہ بزرگوں نے تجربہ سے لکھا ہوا ہے کہ کم کھانا اچھی بات ہے۔ یہ ایک طبی تجربہ ہے۔ البتہ کھانا حد سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے کہ آدمی کے

لئے بوجھ بن جائے۔کم کھانا کم سونا تصوف نہیں ہے بلکہ یہ تجربے ہیں۔خیر میں نے سوچا خشکی ہوگئی ہے کہ آدمی کو اتنے ذکر اذکار کرائے ہیں اور اتنا جگائے رکھا ہے آرام کی رہنمائی نہیں کی گئی تو آدمی اب psychiatric یعنی ذہنی مریض ہے۔مقام حیرت کیا ہے سائیکاٹرک بیماری ہے۔پھر میں نے سوچا میرے ذمے تو ہے نہیں۔جہاں سے بیعت ہے وہ لوگ اس کا بندوبست کریں اور اسے مقامِ حیرت سے نکالیں۔نکل گیا تو اس کی قسمت ہے نہ نکلا تو تیرتا رہے ساری عمر یہ تو ایک سمندر ہے جس میں اسے دھکا دے دیا ہے۔جہاں جا کر زندگی پوری ہوگی تو مقامِ حیرت بھی ختم ہوجائے گا۔ اجر و ثواب تو اس کو ہوگا پر اناڑی کے ہاتھ ضرور چڑھا ہوا تھا کہ اس کی ذہنی صحت کو ضائع کر کے دھکا دے دیا۔چلو اس کا تو اجر و ثواب ہوگیا کہ وہ اخلاص کے ساتھ ایک چیز سیکھنے آیا تھا۔باقی اس پر جو مصیبت آگئی سو حیرت کی بات ہے۔

یہ بہت ضروری بات ہے جو میں آج کہہ رہا ہوں۔جس طرح کہ میں نے شروع میں عرض کیا کہ اللہ کا تعلق بدن سے حاصل ہوتا ہے اور بدن کو دو صحتوں کی ضرورت ہے۔صحتِ جسمانی اور صحتِ ذہنی۔تاکہ جسمانی صحت بھی درست ہو اور ذہنی صحت بھی درست ہو۔ہمارا سلسلہ چونکہ حضرت مولانا اشرف صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی وجہ سے بہت پھیلا ہوا ہے کہ وہ بہت بڑی شخصیت تھے تو ہمیں سنبھالنا پڑتا ہے ساتھیوں کو۔اگر ہمارا ذاتی کمال ہوتا تو دو چار آدمی بھی نہ بیٹھے ہوئے ہوتے۔یہ تو پیچھے سے پچاس سالہ محنت تھی ہمارے شیخ و مربی حضرت مولانا اشرف سلیمانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی جو آگے چلی ہے۔

کئی گھروں اور خاندانوں کو اللہ نے بچایا ہے اس بات پر کہ میں نے ان کو مشورہ دیا کہ آپ کی سائیکاٹرک یعنی ذہنی بیماری ہے اس کا علاج کراؤ تو آپ کے حالات درست ہوجائیں گے۔ایک سپیشلسٹ ڈاکٹر صاحب آئے کہ گھر میں لڑائیاں ہوتی ہیں اور پوری روداد سنائی کہ گھر والی رشتہ دار ہے ماسٹر ڈگری والی ہے۔بڑی سمجھدار بڑی اچھی عورت ہے پر لڑائیاں ہو رہی ہیں۔میں نے چند بار ڈاکٹر صاحب کو مشاہدے میں رکھا تو میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ آپ کو mild سا

Mania ہے اور اگر آپ فلاں دوائی لیں اور آدھے ملی گرام سے شروع کریں پھر ایک ملی گرام اور انتہائی دو ملی گرام پر آپ control ہو جائیں گے اور اللہ خیر کرے گا۔ کچھ دن بعد آئے تو انھوں نے کہا کہ آپ نے تو ہمارا مسئلہ حل کر دیا ہے۔ میں نے کچھ دن دوائی استعمال کی گھر کے حالات بڑے آسودہ ہو گئے خیریت ہو گئی۔ پھر دو تین دن دوائی ترک کی تو چوتھے دن پھر لڑائی کا موڈ بن گیا بالکل طبیعت تیار ہو گئی لڑائی کے لئے۔

تصوف کا جو یہ معاشرتی پہلو ہے اس کی ضروری باتیں میں آپ سے کہہ رہا ہوں۔ میں حال طاری کر کے اور رونا دھونا اور نعرۂ تکبیر کرا کے آپ کو نہیں چلانا چاہتا، ورنہ اس کی میری مشق ہے کہ ابھی آپ چھلانگیں لگائیں اور ھوحق شروع کر دیں لیکن یہ ہے کہ آدمی کی زندگی کے بارے میں رہنمائی ہونی چاہیے۔ ایک پروفیسر صاحب تھے۔ ان کی شادی میں نے ہی ایک دوست ڈاکٹر صاحب کی بہن سے کرائی۔ شادی کے کچھ دن گزرے تو میں نے کہا کہ اللہ کے بندے آپ مالدار لوگ ہو اپنے مکان ہیں تو آپ علیحدہ ہو جائیں۔ گھرانے کی خدمت ضرور کریں۔ والد صاحب کی تو وفات ہو چکی والدہ صاحبہ کی خدمت ضرور کریں پر علیحدہ ہو جائیں تو آپ کے حالات بن جائیں گے۔ انھوں نے نہیں مانا۔ سلسلے میں یہاں تک ترقی ہو چکی تھی کہ میں خلافت دینا چاہتا تھا کہ مجھے یہ اشارہ ہوا کہ کچھ توقف کر لو۔ توقف کیا۔ جب یہ بات سامنے آئی تو بات نہ مان سکے۔ ہم نے مریدوں سے کوئی شکرانہ تو جمع کرنا نہیں ہوتا۔ آپ لوگوں نے حال بتانا ہوتا ہے ہم نے تربیت کی بات آپ کو بتانی ہوتی ہے۔ اس پر آپ عمل کریں آپ کی زندگی بن جاتی ہے۔ ہمارا بس یہی شکرانہ ہوتا ہے کہ ہمارے کہے پر عمل کیا جائے۔ اور اگر آدمی عمل ہی نہ کرے تو پھر کیا حاصل ہوا۔ خیر انھوں نے اس بات پر عمل نہیں کیا۔ کچھ دنوں کے بعد گھر میں ایک آدمی ذہنی مریض ہوا دوسرا آدمی ذہنی مریض ہوا۔ آخر انھوں نے ساری مصیبتیں اٹھانے کے بعد علیحدگی اختیار کی لیکن اس کے باوجود پھر حالات نہیں بن سکے۔ ایک دن اس نے آ کر کہا کہ گھر کے حالات بہت خراب ہیں۔ میں نے کہا کہ میں آپ کے گھر جانا چاہتا ہوں۔ آپ کے برادرِ نسبتی بھی ہمارے دوست ہیں گویا ایک خاندان کے

لوگ ہو تو اگر آپ برا نہ محسوس کریں تو میں آپ کے گھر جاؤں گا اور گھر والی سے ملاقات کروں گا۔ ڈاکٹر صاحب بھی ہمارے ساتھ ہوں گے۔ انھوں نے کہا ٹھیک ہے۔ ہم ان کے گھر پر گئے۔ وہ اچھی خاصی پردہ دار عورت تھی۔ جوں ہی ہم اندر گئے تو اس نے ہاتھ بڑھا کر کہا "پخیر ڈاکٹر صاحب"۔ میں نے پوچھا:" سنگه ای بچیه ۔خه ای" خیر ہم نے ایک ایک پیالی چائے پی اور اٹھ کر آ گئے۔ چلتے ہوئے میں نے کہا پروفیسر صاحب آپ کی گھر والی اب سائیکاٹرک مریضہ ہے۔ اس کا علاج کرنے کی ضرورت ہے۔ جونہی میں نے یہ بات کہی پروفیسر صاحب بھی خفا ہو گئے اور لڑکی کے ڈاکٹر بھائی صاحب بھی خفا ہو گئے۔ مجھے تو کچھ کہہ نہیں سکتے تھے لیکن خفا ضرور ہو گئے۔ میں تو اپنی بات کہہ کر آ گیا کیونکہ ہمارے پاس پولیس طاقت تو ہوتی نہیں کہ آدمی کو گرفتار کر کے جبری عمل کرایا جائے۔ این آر او (National Reconciliation Order) پر اگر حکومت عمل نہیں کرتی تو پھر چیف جسٹس کو اختیار ہوتا ہے کہ کمانڈر ان چیف کو براہِ راست خط لکھے کہ مجھے ان سارے آدمیوں کو گرفتار کر کے دو اور ملک کی سربراہی سینیٹ کے سینئیر آدمی کے حوالے کرو۔ یہ شق آئین میں موجود ہے۔ وہ اختیار ہمارے پاس تو ہے نہیں کہ کہیں قیصر صاحب کو گرفتار کر کے لاؤ یا عبیداللہ صاحب کو گرفتار کر کے لاؤ۔ ہم نے تو اک بات بتانی ہے۔ اس پر عمل آپ نے کرنا ہے۔ کچھ دنوں بعد ان کا پیغام آیا کہ مریضہ کو جیل والے مینٹل ہسپتال داخل کرنا پڑا کیونکہ جو مریض کنٹرول نہیں ہوتا اس کو جیل خانے میں یعنی behind the bars ڈال کر وہاں اس کا علاج کیا جاتا ہے۔ میں نے کہا شکر ہے اللہ کا ابھی بھی آپ نے عمل کیا۔ جبری ہی سہی پر کر تو لیا۔ اس عورت نے جبری عمل کروایا ان سے۔ کچھ دنوں کے بعد واپس آئی۔ بہر حال اس فیصلے کے ساتھ کہ چار بچوں کی ماں کو طلاق ہوئی اور گھر اُجڑا اور خود پروفیسر صاحب شوگر کا اور دل کا مریض ہوا۔ These are all those things that you have earned yourself. لے میرے بھائی یہ وہ ساری چیزیں ہیں جو آپ نے خود کمائیں۔

ہم چھوٹے تھے تو ہمارا برفانی علاقہ تھا سخت سردی ہوتی تھی۔ رات کو سب لوگ آگ کے

پاس بیٹھے ہوتے تھے۔دادا دادی صاحبہ کے ذمّے کہانی سنانا ہوتی تھی۔ ریڈیو ان دنوں نیا نیا آیا تھا۔ ہمارے یہاں تو وہ بھی نہیں ہوتا تھا۔مسجد میں اعلان ہوا تھا کہ "چا کور کے ریڈیو وی اغی سور کافران دی"۔ (کہ جس کے گھر میں ریڈیو ہو وہ کافر ہیں) تو ریڈیو کوئی لا ہی نہیں سکتا تھا اور باقی چیزیں تو تھیں ہی نہیں۔ لہٰذا اس مجلس میں کہانیاں ہوتی تھیں۔ دادی صاحبہ نے ایک کہانی شروع کی کہ جس طرح ہم بیٹھے ہیں اس طرح سارے لوگ بیٹھے ہوئے تھے کہ بلا آ گئی۔ اس لے لمبے لمبے بال تھے اور اتنے بڑے دانت۔ جب بلا آ گئی تو سب ڈر گئے لیکن دادا جان نے کہا کہ کوئی فکر کی بات نہیں، اس کا ہم ابھی بندوبست کرتے ہیں۔ دادا جان کو پتا تھا کہ "بلا پیخے کئی" یعنی بلا نقل اتارتی ہے۔ تو اس نے جلتی آگ میں سے لکڑی اٹھائی جس کی ایک طرف جل رہی ہے دوسری نہیں جل رہی۔ تو جو طرف نہیں جل رہی اس سے اپنی پیٹھ کی خارش کی اور لکڑی واپس رکھ دی۔ بلا نے بھی اس کی نقل اتاری پر جب اس نے لکڑی اٹھائی تو اسے یہ سمجھ نہیں آئی کہ اس کی جلنے والی طرف کون سی ہے اور نہ جلنے والی طرف کون سی ہے۔ اس نے جو جلنے والی طرف سے اپنی پیٹھ کی خارش کی تو اس کو آگ لگ گئی۔ ہم بچے بڑے خوش کہ اچھا ہوا بلا کو آگ لگ گئی۔ بلا بھاگ کھڑی ہوئی۔ جب وہ دوڑ رہی تھی تو جوں ہوا لگ رہی تھی آگ اور تیز ہو رہی تھی۔ راستے میں کسی نے اس سے کہا: "دا چا؟" یعنی یہ کس نے کیا؟ اس نے جواب دیا: "ما پخپلہ" یعنی میں نے خود۔ نو اغے وے "گلہ مہ کوہ پہ بلہ"۔ تو اس کو جواب ملا کہ پھر گلہ نہ کر دوسروں سے۔ تو یہ وہ wisdom ہوتی تھی جو چولہے کے پاس بیٹھ کر، حجرے میں بیٹھ کر اور مسجد میں بڑے بوڑھے اپنی نئی نسل کو دیتے تھے۔ اس سے تُو محروم ہے۔ تو نے اپنے بچوں کو تربیت کے لئے ڈبے (ٹیلی ویژن) کو دیا ہوا ہے اور وہ ڈبے میں انڈیا کی تہذیب کو دیکھ رہا ہے۔

ہم تبلیغی جماعت کے گشت پر گئے ایک پروفیسر کے ہاں تو اندر سے ایک آدمی نکلا جیسے کہ راجکمار۔ ان کے سلام کا طریقہ بھی ایسے ہوتا ہے ہاتھ جوڑ کر ہندوؤں کی طرح۔ میں نے ساتھیوں سے کہا کہ آپ خفا مت ہوں بس اس سے بات کر کے آ جائیں۔ اور اس سے پوچھنا کہ انڈیا کے ٹی

وی کے کون کون سے پروگرام دیکھتا ہے۔ انھوں نے جو پوچھا تو سارے ان کے مذہبی پروگرام دیکھتا تھا! بڑا لطف آتا تھا جوان کو دیکھتا تھا۔ انھوں نے اس کو اپنے رنگ میں رنگا ہوا تھا اتنا اس کا حال بدلا ہوا تھا۔ بڑی عمر کا آدمی تھا۔ ایک دوسری دلچسپ بات سنائیں آپ کو۔ پروفیسر کالونی میں ہم گشت پر گئے۔ ایک آدمی کو باہر نکالا۔ اسلام صاحب نے اس سے بات کی۔ آگے سے اس آدمی نے خوب سنائیں اسلام صاحب کو کہ تبلیغ کے لئے آئے ہیں، اسلام سکھانے آئے ہیں۔ ستہ دا مطلب دے چہ زہ کیبل پریگدمہ، ڈش پریگدمہ، انٹرنیٹ پریگدمہ؟ تمہارا مطلب یہ ہے کہ میں کیبل چھوڑ دوں، ڈش چھوڑ دوں، انٹرنیٹ چھوڑ دوں! خوب اس نے باتیں سنائیں۔ میں نے کہا "صاحبہ! دا تا سرہ چا خبرے کئی دہ پشاور یونیورسٹئے پلاننگ ڈائریکٹر دے۔ جناب جس نے آپ سے بات کی یہ اسلام صاحب پشاور یونیورسٹی کا پلاننگ ڈائریکٹر ہے۔ ساتھیوں سے میں نے کہا کہ آپ چلے جائیں اس سے گشتی کے لئے مجھے چھوڑ دیں۔ ساتھی چلے گئے تو میں نے کہا "تا تہ چا ویلے دی چہ انٹرنیٹ پریگدہ، کیبل پریگدہ، ڈش پریگدہ؟" ہم نے تو سادہ سی بات کی تھی کہ کامیابی کا ایک نسخہ ہے۔ اس کے بارے میں مسجد میں بات کریں گے۔ آپ آجائیں۔ بہرحال اس نے بڑا دل جلایا تو ہم نے اس کے لئے بڑی بددعا کی کہ خدایا داسے گیر کے چہ اخپلہ راشی، زمنگ اخپو کی ناست ئی۔ خدا تعالیٰ تمہیں ایسا گھیرے میں لے کہ تو آکر خود ہمارے قدموں میں بیٹھ جائے۔ چند دن بعد ایک آدمی آیا، بڑا باشرع، بڑے ادب سے آکر بیٹھا مجلس میں اور اس نے کہا کہ میں شبیر کا کاخیل صاحب سے بیعت ہوں اور آپ سے ملنے کے لئے آیا ہوں۔ فوج میں کپتان ہوں۔ پوچھا کہاں کے ہو۔ کہا پروفیسر کالونی کا ہوں۔ میں نے کہا اُس طرف جو فلاں مکان ہے وہ تو آپ کا گھر نہیں ہے؟ کہا وہی گھر ہے۔ میں نے کہا شکر ہے بددعا ہماری لگ گئی ہے کہ ایک آدمی گھر میں سے نکل آیا ہے۔ کچھ دن بعد پھر آیا کہ جی میرا نکاح ہو رہا ہے تو والد صاحب کہتے ہیں کہ نکاح اگر ڈاکٹر فدا صاحب پڑھ لیں تو اچھا ہو۔ میں نے کہا والد صاحب سے کہو کہ آئے گا گھر پر نکاح پڑھنے

انشاء اللہ۔تو اللہ پاک نے آخر آپ کو بھی گھیرا ہمارے سامنے۔ جب ان کے گھر گیا میں تو اس کا والد صاحب بھی بڑا با ادب ہو گیا تھا۔کیا اللہ کی شان۔

یہ بہت اہم باتیں ہیں بھائی جو میں آپ سے کہہ رہا ہوں۔ ایک اور اہم بات۔ بعض سائیکاٹرک مریض آتے ہیں۔ان سے پوچھو کہ تم نے علاج کیوں چھوڑ دیا؟ تو جواب ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب اس نے نشے کی دوائیاں دی تھیں جن سے نیند بہت آتی تھی۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کو کس نے کہا تھا کہ یہ نشے کی گولیاں ہیں۔ یہ دماغی تکلیف کا علاج ہیں۔ چند دن کے استعمال سے نیند بھی قابو میں آجاتی ہے۔اب معدے اور گردے کی بیماری کا جب ڈاکٹر صاحبان علاج کرتے ہیں تو بیڈ ریسٹ کرواتے ہیں تو لیٹنا پڑتا ہے آدمی کو ۵ دن ہو یا ۱۰ دن ہو۔اسی طرح دماغ کی بیماری کا جو علاج ہے اس میں نیند آجاتی ہے۔ چند دن ہوتی ہے پھر اس کو آدمی over power (قابو) کر لیتا ہے۔اللہ کرتا ہے کہ صحت ہو جاتی ہے اور آدمی ٹھیک ہو جاتا ہے۔لیکن اس کو مریض مانتا نہیں ہے۔ مجھے کمر کی جو تکلیف ہوئی تو ڈاکٹروں نے آپریشن تجویز کیا۔ایک مریض نے کہا کہ ایک احتیاط میں آپ کو بتاتا ہوں۔اس کی پابندی آپ کر لیں تو کافی فرق ہو جائے گا۔اس کو آپ نے جاری رکھنا ہے۔اس نے بتایا کہ تین دن آپ مکمل بیڈ ریسٹ کریں گے۔صرف وضو کے لئے اٹھ جایا کریں اور نماز پڑھ لیا کریں،اس کے علاوہ مکمل آرام کریں۔تین دن جو میں نے آرام کیا تو واقعی اس میں ۶۰ فیصد افاقہ ہوا۔پھر میں ٹھیک ہو رہا تھا کہ بہاولپور کے ساتھی پیچھے پڑ گئے کہ آؤ ہی آؤ، خیر ہے جہاز میں آنا ہو گا اتنی تکلیف نہیں ہے۔ جہاز میں تو میں گیا پر جس وقت واپس آیا تو جس جگہ بیماری تھی انھوں نے واپس وہیں پہنچا دی۔

تو صورتحال یہ ہے کہ سلاسل کے ذمے آج کے دور میں یہ ہے کہ انسان کی ہر رخ سے رہنمائی کر کے اس کو ایسے راستے پر ڈال لیں کہ دنیا آخرت دونوں کے لحاظ سے کامیاب ہو۔ پہلے بھی میں نے آپ کو یہ حدیث سنائی ہے کہ **کانو بنی اسرائیل یسوسھم الانبیاء**. بنی اسرائیل کی سیاست ان کے پیغمبر کیا کرتے تھے۔میں نے ایک دفعہ مجمع سے پوچھا سیاست کسے کہتے ہیں؟ ایک

ساتھی نے کہا کہ کسی کو دھوکے اور فریب میں ڈال کر اپنا کام نکالنا۔میں نے کہا بالکل ٹھیک۔اس نے پاکستانی سیاست کی ٹھیک ترجمانی کی۔سیاست عربی کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے چلانا۔لوگوں کو اس ترتیب پر چلانا کہ دنیا اور آخرت کے سارے مفادات حاصل ہو کر کامیاب زندگی گزاریں۔تو بنی سرائیل کی سیاست ان کے پیغمبر کیا کرتے تھے یعنی ان کو چلایا کرتے تھے۔دنیا آخرت کے سارے مفادات کو سامنے رکھ کر ان کی زندگی ایسے چلاتے تھے کہ ان کی زندگی دنیا آخرت کے لحاظ سے کامیابی والی ہوتی تھی۔ عام طور پر ہمارے تبلیغ والے حضرات یا باقی حضرات کہتے ہیں کہ ایسے فاقے ہوئے ، پیٹوں پر پتھر باندھے شہادتیں ہوئیں، اتنے آدمی مارے گئے، عورتیں بیوہ ہوگئیں، بچے یتیم ہو گئے۔سارے سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بڑی قربانی دی اللہ ان کے درجات کو بہت بلند کرے، دین بہت اچھی چیز ہے لیکن انھوں نے کیا بس وہی کافی ہے۔یعنی ہم کیسے کریں گے۔ حالانکہ فاقے تو ہیں ۱۳ سالہ مکّی زندگی اور ۶ سالہ مدنی زندگی میں۔اس کے بعد فاقے ختم ہیں۔فتح خیبر کے بعد فاقے ختم۔ اورشہادتوں کا تذکرہ ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سالہ زندگی کے سارے جہاد جو ہوئے ہیں اس میں کل ہزار گیارہ سو کے درمیان آدمی جو مارے گئے ہیں جن میں سات سو سے زائد کافر ہیں اور تین سو سے کچھ اوپر مسلمان ہیں۔کل ۲۳ سالہ قتال میں یہ کچھ ہوا ہے۔جبکہ جنگِ عظیم دوم میں تین کروڑ تو صرف مارے گئے ہیں اور جہاں ایک آدمی مرتا ہے وہاں دس آدمی Disable معذور ہوتے ہیں۔اتنی تباہی ہوئی۔وقت کم ہے ورنہ میں آپ کو بدر، حنین، فتح مکہ وغیرہ کے اعداد وشمار وغیرہ کر کے بتا دیتا کہ اتنے مسلمان اور اتنے کافر مرے ہیں۔لیکن اسلام کے پھیلنے کے بعد صحابہ کرام کی مالداریوں کو دیکھیں تو آپ سوچ نہیں سکتے کہ اتنا مال ودولت انھوں نے کمایا ہے۔عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا میں حساب کیا کرتا ہوں۔ایک روایت میں ہے کہ ساٹھ ہزار غلام آزاد کئے ہیں۔دوسری روایت میں ہے ساٹھ ہزار خاندان آزاد کئے ہیں۔اگر خاندان ہوں تو دو آدمی کم از کم ایک خاندان میں ہوتے ہیں، تو ایک لاکھ بیس ہزار ہوئے۔چلو پورا عدد (round figure) ایک لاکھ لے لو۔ایک غلام کی قیمت بارہ ہزار درہم۔ایک لاکھ ضرب بارہ

ہزار ہوئے ایک ارب بیس کروڑ درہم۔اور ۲۰۰ درہم کا ایک اونٹ تھا جبکہ آجکل ایک لاکھ کا ایک اونٹ ہے ۔اٹک کے ساتھیوں نے بتایا کہ اٹک کی منڈی میں اچھا اونٹ ایک لاکھ کا ہوتا ہے۔تو یہ حساب اربوں میں بنتا ہے۔یہ تو صرف غلام آزاد کرنے کا صدقہ ہے۔ایک دفعہ ایک ہزار اونٹ گندم سے لدے ہوئے آرہے تھے۔مدینہ منوّرہ میں قحط تھا۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بلا کر کہا کہ جنت میں گھسٹتے ہوئے جاؤ گے۔تو آپ نے گندم کے لدے ہوئے ایک ہزار اونٹ ،رسی اور ان پر پڑے ہوئے جھول سمیت خیرات کر دئے۔ایک اونٹ دس من اٹھاتا ہے۔ بہت لمبا سفر ہو تو آٹھ من ڈالتے ہیں۔تو آٹھ ہزار من گندم خیرات کی ہے۔جب وفات ہوئی ہے تو چار بیویاں، آٹھ بیٹے تھے۔ بیٹوں کو چھ، چھ لاکھ نقد ملے ہیں اور سونے کی اینٹیں کاٹتے ہوئے ان کے ہاتھوں پر چھالے پڑے ہیں، اتنا ترکہ بچا ہے۔اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک ہزار غلام یعنی مزارعین ان کی زراعت میں کام کرتے تھے۔اتنا بڑا ان کا زرعی سیٹ اپ تھا۔اور یہ مزارعین نہیں تھے۔خریدے ہوئے غلام تھے۔اور ایک غلام ۱۲۰۰۰ کا !اتنی بڑی تعداد ان غلاموں کی اور پھر زمین کتنی ہے؟ اور پھر زراعت کتنی ہے؟! بیٹا کہتا ہے کہ وفات کے بعد ان کا اتنا وسیع اور پھیلا ہوا کاروبار تھا۔اس وقت بینک کا نظام تو نہیں تھا، یہ ایک طرح کا بینکنگ کا نظام چلاتے تھے۔اس طرح کے آدمی لا کر ان کو پیسے دیتے تھے۔اب پیسے رکھنے کے دو طریقے ہیں۔ایک امانت اور ایک قرض۔ امانت اگر گم ہو جائے تو مالک کے ذمّے ہے اگر رکھنے والے نے بے احتیاطی نہیں کی تھی ۔اور اگر بے احتیاطی کی تو پھر اس کے ذمے آتی ہے۔اور قرض کا یہ ہے کہ یہ آپ کے ذمّے ہے۔آپ اس کو دیں گے۔تو آپ قرض لے کر اپنے کام میں لگا دیتے تھے۔اور پیسے کی آمد و رفت اتنی ہوتی تھی کہ بغیر تکلیف کے ان کا سلسلہ چلتا رہتا تھا۔تو کہتے ہیں وفات کے وقت بائیس لاکھ درہم کے تو یہ مقروض تھے۔ایک زمین ان کی بیچی ہے اس سے قرضہ ان کا ادا کیا ہے۔تو اتنا تو انھوں نے مال و دولت کمایا ہے۔اور بائیس لاکھ مربع میل کی خلافت تو عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی اور گورنر ڈھونڈتے تھے اور لوگ تیار نہیں ہوتے تھے جانے کے لئے۔پوسٹیں زیادہ تھیں آدمی کم تھے۔اتنی تو اللہ نے زمینیں دی ہیں اور برکت اتنی اللہ نے دی ہے کہ ہندوستان میں جو دیوبند کا علاقہ زرخیز ترین علاقہ تھا، اس علاقے کا زمیندارہ آم کا ہے۔ چونسہ ایک قصبہ ہے دیوبند کے پاس جس میں چونسہ آم ہے، یہ جائیدادیں کچھ صدیقیوں کی ہیں، کچھ فاروقیوں کی ہیں، کچھ

عثمانیوں کی ہیں۔ جو ہندوستان کی چوٹی کی زمین ہے اس کے مالک یہ لوگ تھے۔ یہاں تک اللہ نے مالداری دی ہے۔ وہ تو تھوڑے سے حضرات تھے جنھوں نے جانیں دے کر قربانیاں کی ہیں۔ پیٹوں پر پتھر باندھ کر فاقے کیئے ہیں۔ باقی تو مزے ہی مزے آسودگی ہی آسودگی راحت ہی راحت اور اتنا کچھ ہوا ہے کہ آپ سوچ نہیں سکتے ہیں۔ فکر نہ کریں۔ ہم اس پائے کے لوگ نہیں کہ ہم پر تکلیفیں آئیں۔ ہمارے ساتھ تو آسانی کا ہی معاملہ ہے۔

اصلاحِ نفس میں میں نے یہ بات لکھی ہے کہ دنیا کا لطف بھی دیندار آدمی اتنا اُٹھاتا ہے کہ اس کا دنیادار آدمی کو پتا ہی نہیں ہے۔ ایک دن تو نہیں ہے کہ ساری بات سنا دیں۔ آؤ گے جاؤ گے تو اللہ کرے گا۔ آؤ گے تو پاؤ گے۔ پالیا تو مزے ہی مزے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

(صفحہ ۴۵ سے آگے)

میں نے سلسلے کا خاص نقش کمپیوٹر کے ذریعے کاپی کیا اور اپنی والدہ کے سرہانے کے نیچے رکھ دیا، ان سے کہہ دیا کہ دن رات میں ایک مرتبہ پڑھ لیا کریں۔ انہوں نے ایسے ہی کیا۔ کچھ دنوں بعد خواب میں ان کے پاس ایک موٹی سی عورت آئی جو کہ ہمارے آبائی گاؤں سے آئی ہوئی ہے۔ اس کا سر چھوٹا سا اور خود موٹی تھی، اور اس کے پاس دو سانپ تھے، والدہ کو کافی ڈرایا اور کہا کہ تم اگر چار پائی سے جوں ہی اترو گی یہ سانپ تم پر چھوڑ دوں گی۔ والدہ خواب میں بہت ڈر گئیں اور اس عورت سے کہا کہ وہ خاص نقش میرے سرہانے کے نیچے ہی ہے۔ ان کا سنا تو پھر بھاگ گئی۔ والدہ صاحبہ بیس سال سے مرگی کی مرض میں مبتلا ہیں۔ اس نقش کو سرہانے کے نیچے رکھنے کے بعد مرگی کا دورہ بھی نہیں پڑا۔ اگر کوئی غلطی ہوئی ہو تو معاف کر دیں۔

دعاؤں کا محتاج

یاسر

سعودی عرب

ملفوظاتِ شیخ ﴿ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہ﴾ (قسط۔۳۹)

(ظہورالٰہی فاروقی صاحب)

قلبِ مومن عرشِ الٰھی سے زیادہ برتر اور عظمت والا ھے :

فرمایا کہ آنکھیں بدکاری کرتی ہیں، کان بدکاری کرتے ہیں، زبان بدکاری کرتی ہے اور ایک آخری مرحلہ ہے عملی بدکاری کرنا۔ ورنہ اس سے پہلے تو آنکھ برائی کررہی ہوتی ہے، کان برائی کر رہے ہوتے ہیں، زبان برائی کررہی ہوتی ہے اور قلب بھی۔ قلب کیسے زنا کررہا ہوتا ہے؟ قلب ان تصورات اور خیالات کو لے کر چل رہا ہوتا ہے، پانچ منٹ، دس منٹ، آدھا گھنٹہ، قلب نے ان خیالات کو اُٹھایا ہوا ہوتا ہے۔ اتنی دیر تو تُو بدکاری کے مراقبہ میں رہا ہے جو قلب سے کر رہا ہے۔ اگرچہ سنگسار تو انہی پر نافذ ہوتا ہے جن پر چار گواہ گواہی دے دیں مگر رُوحانی لحاظ سے یہ اس سے زیادہ خطرناک ہے کہ تُو وہ چیز قلب میں چلا رہا ہے جس سے قلب برباد ہو جاتا ہے۔ وہ جگہ جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کا عرش ہے۔ میں کسی جگہ نہیں سماتا، اگر سماتا ہوں تو بندۂ مومن کے قلب میں سماتا ہوں، اس عظمت والی جگہ پر جو کہ اللہ تعالیٰ کے عرش سے زیادہ عظمت والی ہے۔ قلبِ مومن عرشِ الٰہی سے زیادہ برتر اور عظمت والا ہے کیونکہ عرشِ معلیٰ پر اللہ تبارک وتعالیٰ نہیں بیٹھ رہا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے جلوس کا یعنی بیٹھنے کا اعزاز حاصل ہوا ہو۔ اور قلبِ مومن جو ہے اس کو دھیانِ الٰہی کا اعزاز حاصل ہوتا ہے کہ اُس کے دھیان کی لہریں آتی ہیں اور گزرتی ہیں اس پر۔ لہٰذا اس کی بہت عظمت ہے۔

ے

دل بدست آور کہ حجِ اکبر است

از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

کعبہ بنیادِ خلیلِ آذر است

دل گزرگاہِ جلیلِ اکبر است

ترجمہ: کسی کا دل ہاتھ میں لو یعنی راضی کرو کہ یہ بڑا حج ہے۔ ہزار کعبوں سے ایک دل بہتر

ہے۔کعبہ تو آذر کے بیٹے ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے جبکہ دل ربِّ ذوالجلال کی گزرگاہ ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت بڑی وسیع ہے:

فرمایا کہ فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ o وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ o
ایک مثقال کے برابر کوئی نیکی کرے تو وہ لکھی جاتی ہے۔ایک مثقال کے برابر کوئی برائی کرے تو لکھی جاتی ہے۔تو مثقال کے برابر برائی لکھی جانے کے بارے میں حدیث شریف میں تفصیل آئی ہوئی ہے کہ دائیں بازو والا فرشتہ امیر ہے اور بائیں بازوں والا مامور ہے۔نیکی لکھنے والا تو امیر ہے ،جو نیکی ہوتی ہے اس کو لکھ لے لیتا ہے۔بائیں طرف والا جو برائی لکھتا ہے،اجازت طلب کرتا ہے کہ لکھوں؟ تو دائیں جانب والا جو امیر ہے کہتا ہے کہ اللہ کا بندہ ہے،ہوسکتا ہے توبہ تائب ہوجائے ۔تو لہٰذا صبح کی آئی ہوئی فرشتوں کی جماعت اُس کو عصر کے وقت رخصت ہونا ہوتا ہے وہ عصر تک منتظر رہتا ہے۔صغیرہ گناہ کے بارے میں تو آیا ہوا ہے کہ وضو کیا نماز پڑھی وہ دُھل گیا وہ صاف ہوگیا ۔کبیرہ گناہ کے بارے میں باقاعدہ توبہ تائب ہونا ہوتا ہے۔جب ان میں سے کوئی بات نہ ہوئی اور اب عصر کو فرشتوں کی جماعت جارہی ہے تو اب انہوں نے اپنا ریکارڈ مکمل کرنا ہے۔پھر وہ اعمال نامہ میں لکھ لیتے ہیں۔تو یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ نیکی تو فوراً لکھی گئی۔نیکی کی نیت لکھی گئی۔نیت پر ایک نیکی لکھی گئی۔کرنے پر دس نیکیاں لکھی گئیں۔برائی کرنے کے بعد بھی نہ لکھی گئی بلکہ صبح سے عصر تک فرشتوں نے انتظار کیا۔عصر کے بعد لکھی گئی۔پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے بعد بھی محو ہونے کے اور توبہ قبول کرنے کی گنجائش رکھی ہے کہ جب تک انسان کی رُوح حلق میں آکر اَٹک نہ جائے اس وقت تک توبہ کو قبول کیا جاتا ہے۔اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہوتا ہے جب اس کی رُوح باقی بدن سے نکل کر حلق میں اَٹک گئی ورنہ اس وقت تک اللہ تبارک و تعالیٰ نے گنجائش چھوڑی ہوئی ہے۔

تعلق مع اللہ حال کے اَمر پر ہے۔اَمر پر نہیں ہے:

فرمایا کہ غزوۂ بدر سترہ (۱۷) رمضان المبارک کو تھی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امر فرمادیا

کہ روزہ توڑ دیں۔صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے روزہ توڑ دیا۔کچھ ایسے باہمت اور قوی لوگ تھے کہ انہوں نے کہا کہ ہم روزہ نہیں توڑتے کیونکہ ہمیں روزہ کوئی تکلیف نہیں دے رہا ،ہم روزے کے ساتھ لڑ سکتے ہیں۔لہٰذا روزہ رکھ کر وہ لڑے۔جنگ کے اختتام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج روزہ توڑنے والے روزہ رکھنے والوں سے آگے نکل گئے کیونکہ اس وقت حال کا اَمر روزہ توڑنے کا تھا۔اس وقت جو اَمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوا تھا وہ روزہ توڑنے کا تھا۔تو دین اور شعائرِ دین تو اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے نمائندے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کو پورا کرنا ہے۔لہٰذا اُس وقت دین یہ تھا کہ تروتازہ ہوں اور قوت سے لڑیں۔

حال کے اَمر کا فہم عظیم معرفت ہے۔آدمی شیخ التفسیر ہوسکتا ہے لیکن عارف نہ ہو تو حال کے اَمر کی پرکھ اس کو نہیں ہوسکتی۔آدمی شیخ الحدیث ہوسکتا ہے،آدمی مفتی ہوسکتا ہے لیکن حال کے اَمر کی پرکھ...یہ تو معرفت ہے ضروری نہیں کہ اس کو حاصل ہو۔

تشبہ با لکفار:

فرمایا کہ غیر مسلم اقوام کی مذہبی تقریبات میں شمولیت اور ان کو پسند کرنا قطعاً ناجائز ہے۔ اور ان کی کسی تقریب میں شامل ہوکر ان کے خاص مذہبی نشان اپنے اُوپر لگانا یا ان کا مذہبی لباس پہننا کفار کی مشابہت ہے جو ناجائز اور گناہ ہے۔

چوری :

حضرت والا نے ایک بیان کے دوران چوری کی تفصیل بتاتے ہوئے فرمایا کہ چوری کرنا صرف یہ نہیں ہے کہ کسی کا تالا توڑا اور اندر سے کوئی چیز نکالی بلکہ چوری میں کافی باریک سے باریک تر باتیں ہیں۔فرمایا کہ اکابر دیوبند کے حالات میں لکھا ہوا ہے کہ ایک بزرگ اپنا کھانا مدرسے کو لاتے تھے اور حمام جہاں پانی گرم ہوتا تھا اس کی آگ کے قریب چھوڑ دیتے تھے کہ یہ گرم رہے اور کھانے کے وقت آکر کھالیتے تھے۔آگ کے اُوپر نہیں رکھتے تھے بلکہ پاس اُس ماحول میں چھوڑ تے تھے۔جب مہینہ گزرا تو انہوں نے انتظام والے لوگوں کو مہینہ میں اس گرم کرنے کی سہولت کے

پیسے ادا کیئے کہ خدانخواستہ اتنا جو میں نے استفادہ کیا ہے اس کی ادائیگی نہ کروں تو اتنی چوری نہ ہو جائے۔ یہاں تک باریکیاں ہیں سبحان اللہ۔ یہ ہمارے اکابر کے حالات میں لکھا ہوا ہے کہ سبق پڑھا رہے ہیں کہ ملنے کوئی آدمی آ گیا۔ اَشد ضرورت تھی اُس سے بات کی اور بات کرتے ہوئے پانچ منٹ لگے ہیں، اُس کو اپنے پاس لکھ لیا اور سارے مہینے کو یہ حساب جمع کرتے تھے۔ ایک گھنٹہ، دو گھنٹے، تین گھنٹے، جتنے بھی ہوئے، پھر مہتمم صاحب کو لکھتے تھے کہ اس مہینے ہماری تنخواہ سے اتنے گھنٹے کی مزدوری کاٹ لیں کیونکہ اتنی دیر ہم کام نہ کر سکے۔ صرف تالا توڑ کر نکالنا چوری نہیں ہے بلکہ تفصیلات ہیں اس کی۔ ہاں البتہ جس پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نافذ ہوتی ہے یہ وہ چوری ہے جس میں تالا توڑ کر چیز نکالی گئی ہو اور چیز کی مالیت بھی دس درہم ہو۔ جبکہ اُس زمانے کے دس درہم آج کل کے دس ہزار کے برابر ہیں۔

معرفت حاصل کرنے کے لئے تین باتیں ضروری ہیں:

فرمایا کہ معرفت کے لیے تین باتیں ہیں۔ ترکِ گناہ، دُنیا سے بے رغبتی اور علم کے مطابق عمل۔

جب گناہ اور معصیت کو آدمی ترک کرتا ہے اور دنیا کی بے رغبتی یعنی دنیا کے ساتھ اس کا چمٹنا، دنیا کا مقصد ہونا، دنیا کا نصب العین ہونا، اس کے دل سے نکلتا ہے، اور تیسرے درجے میں جو اس کے پاس علم ہے اس پر عمل ہو تو اس کے بارے میں فرمایا اس کو اللہ تعالیٰ وہ علم دیتا ہے جو یہ نہیں جانتا۔ عِلم لُدنی اس کو دیا جاتا ہے، اس کو غیبی فہم اور پرکھ دی جاتی ہے۔

ہمارے والد صاحبؒ جن بزرگوں سے بیعت تھے وہ قادریہ سلسلے کے بزرگ تھے۔ انہوں نے حضرتؒ کا عجیب واقعہ بتایا کہ علاقہ میں ایک آدمی گم ہو گیا مفقود الخبر یعنی جو آدمی گم ہو گیا ہو اور اس کی کوئی خبر نہ آ رہی ہو تو اس کے بارے میں فتویٰ ہے کہ چار سال کے بعد اس کی بیوی دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ علاقے کے علماء سے لوگوں نے استفتاء کر کے فتویٰ لکھ کر سب سے دستخط کرا لیے کہ اس عورت کا دوسرا نکاح جائز ہے۔ ہمارے والد صاحبؒ نے کہا کہ ہمارے حضرت

صاحبؒ تشریف لائے ہوئے تھے۔ کہتے ہیں ہم ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ علماء نے کہا کہ فلاں نے حضرت صاحبؒ بھی تشریف لائے ہوئے ہیں ان کا بھی دستخط کرالیں کیونکہ لوگوں میں ان کی بڑی تائید ہے تو بات اور پکی ہوجائے گی۔ان کے پاس آدمی آگئے کہ یہ فتویٰ ہے علماء نے لکھا ہوا ہے، آپ بھی اس پر دستخط کردیں۔انہوں نے فتویٰ کی طرف دیکھا، کہا اس پر دستخط نہیں ہوسکتا ...آپ جائیں۔انہوں نے کہا کہ فتویٰ ٹھیک ہے لیکن اس پر دستخط نہیں ہوسکتا، یہ چلے گئے۔اس دستخط نہ کرنے کی وجہ سے وہ بات ایک دو دن موخر ہوگئی۔اس عورت کا خاوند آموجود ہوا۔اس پر لوگوں کو پتہ چلا کہ اگر دستخط ہوجاتے تو عورت کا ہوجاتا نکاح اور دو دن بعد خاوند نے آنا تھا۔ سُبحان اللہ! تو یہ ہے معرفت کے بعد بصیرت۔بصیرت ایک باطنی نور ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے تعلق والے بندوں کو نصیب فرماتا ہے۔

عِلمی میدان کا کام بہت مشکل ہے اور پھر دِینی عِلم تو اور بھی مشکل بات ہے کیونکہ اُس کے لئے پوری معلومات اور مہارت کے بعد نورِ بصیرت کی بھی ضروت ہے:

فرمایا کہ ایک دفعہ علامہ اقبال کے بیٹے ڈاکٹر جاوید اقبال نے بیان دے دیا کہ فقہ حنفی بہت فرسودہ ہے، اس میں ترمیم اور اجتہاد کی ضرورت ہے اور یہ اجتہاد پارلیمنٹ کرے۔اُن دنوں میں کِنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں جمعہ پڑھایا کرتا تھا۔ہمارے ایک دوست کہا کرتے تھے کہ منبر اور مصلّے کا تمھارا ٹھیکہ ہے، جہاں چلے جاتے ہو ان پر قبضہ کرلیتے ہو۔وہاں کے امام صاحب کو امریکہ جانے کیلئے چھٹی نہیں مل رہی تھی۔اُس نے مجھے کہا کہ ڈاکٹر صاحب: میں چھٹی پر جارہا ہوں اور میری غیر موجودگی میں آپ جمعہ پڑھایا کریں۔چنانچہ ڈاکٹر جاوید اقبال کے بیان پر تبصرہ کرنے کے لئے بندہ کو ایک بہت اچھا سٹیج مل گیا جس سے بندے نے اس موضوع پر کئی تقریریں کیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔

کہ اگر کل کوئی یہ کہہ دے کہ فارماکوپیا (Pharmacopea) جو دوائیوں کی

کتاب ہوتی ہے وہ بھی پارلیمنٹ لکھے تو کوئی اس بات کو مان لے گا؟ نہیں بلکہ کہا جائے گا کہ اس کیلئے تو اس شعبے کے ماہرین کی ضرورت ہے، پارلیمنٹ کے لوگوں کو دوائیوں کا کیا پتا۔ یا آج کوئی کہہ دے کہ بالاکوٹ کے زلزلے سے متاثرہ علاقے کیلئے گھروں کے سٹرکچر (structure) پارلیمنٹ ڈیزائن کرے تو اس کو کوئی نہیں مانے گا بلکہ کہیں گے کہ یہ تو سٹرکچرا نجینئر اور زلزلہ والے علاقوں کی مہارت رکھنے والے انجینئروں کا کام ہے۔

ہماری پارلیمنٹ کا تو یہ حال ہے کہ جو کوئی خاندان میں سارے کاموں سے رہ جائے اور کسی کام کا نہ ہو اُس کو سیاست میں لے آتے ہیں کہ ویسے بھی کسی کام کا نہیں۔ اور ہمارے اکثر وفاقی وزیروں کا تو یہ حال ہے کہ جس شعبے کے وزیر ہوتے ہیں اُس کا الف با پتا نہیں ہوتا اور شعبے کو چلانے کیلئے اُس کے ساتھ وزیر مملکت کو لگایا جاتا ہے جو اُس شعبے کی مہارت رکھتا ہے اور سارے کام کی

دیکھ بھال کرتا ہے۔

یہ جو آیت ہے:

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ O (النحل:۴۴)

ترجمہ: اور اُتاری ہم نے تجھ پر یہ یاداشت (قرآن) کہ تو کھول دے (بیان کرے) لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اُتری اُن کے واسطے تاکہ وہ غور کریں۔ (معارف القرآن)

کہ ہم نے قرآن نازل کیا (اے پیغمبرؐ) تجھ پر تاکہ تو بیان کرے۔ تو قرآن نے قرآن کی تشریح کا حق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے۔ قرآن میں احکام اجمالی طور پر بیان ہوئے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیلات بیان کی ہیں جو حدیث کی شکل میں محفوظ ہیں۔ قرآن میں کہیں نماز کی رکعتوں کا ذکر نہیں ہے کہ کس نماز میں کتنی رکعتیں ہوں۔ یہ رکعتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اقیموا لصلوٰۃ کی تشریح میں بیان کی ہیں۔ اور پھر آگے فرمایا، یہ بھی اس میں غور و فکر کریں۔ اس میں ائمہ مجتہدین کی تشریح کی گنجائش چھوڑی گئی ہے کہ وہ قرآن و سنت میں غور و فکر کر کے مسائل کو بیان کریں۔

(جاری ہے)

وفات حسرت آیات

(ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

جناب حضرت نواب عشرت علی خان قیصر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات سے پاکستان کے تصوف کے سلاسل ایک کامل شخصیت اور عظیم سرپرست سے محروم ہو گئے۔ یہ نقصان سب سے زیادہ تھانوی سلسلے کو ہوا، کہ حضرت نواب قیصر صاحبؒ ان چند افراد میں سے تھے جن کو حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کی براہِ راست صحبت و مجالست نصیب ہوئی۔ حضرت موصوف حضرت تھانویؒ سے ہی بیعت تھے۔

ہندوستان کی مختلف ریاستوں کے انتظامات افغانستان سے آئے ہوئے افغان حضرات سنبھالتے رہے اور کئی نواب افغان تھے۔ حضرت قیصر خان صاحبؒ کا خاندان بھی انہی افراد کی ایک کڑی تھا۔ پاکستان بننے کے بعد حضرت کا قیام کراچی اور اسلام آباد میں تھا۔ سردیوں میں کراچی میں تشریف فرما ہوتے تھے اور گرمیوں کا موسم اسلام آباد میں گزارتے تھے۔ پاکستان میں حضرت نواب صاحبؒ کا تعلق حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ خلیفہ مجاز حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ساتھ رہا۔ حضرت فقیر محمد صاحبؒ کا قیام ۱۹۷۴ سے لے کر ۱۹۹۰ تک پشاور میں رہا۔ اس دوران اکثر حضرت نواب صاحبؒ کی اُن کی خانقاہ میں تشریف آوری رہتی تھی۔ چھ فٹ قد، سرخ سفید رنگت اس پر سفید نورانی داڑھی، چہرے پر اعمالِ صالحہ خاص کر تہجد کے انوارات کہ ایک عامی آدمی بھی اگر دیکھتا تھا تو اس کا دل اس بات کو مان کر تسلی حاصل کرتا تھا کہ کسی عظیم روحانی شخصیت کی زیارت نصیب ہوئی۔ ہمارے طرح طلبا اور غیر معروف افراد جو اُس وقت سلسلہ میں تھے سے اُن کا رویہ اتنی شفقت کا ہوتا تھا کہ بیان سے باہر ہے۔ جو تواضع اور عاجزی اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی تھی قابلِ رشک تھی بندہ کو ان کی آخری بار زیارت اسلام آباد میں جولائی ۲۰۰۹ میں نصیب ہوئی۔ اُن کی اسلام آباد کی مجلس میں حاضری ہوئی۔ دوران مجلس بندہ کے ایک ساتھی کے دل مین یہ بات آئی کہ نواب صاحبؒ کی تو بہت عمر ہو گی واللہ اعلم کتنی ہو گی۔ فوراً انہوں نے فرمادیا میری عمر ۹۴ سال ہے۔ تو معلوم

ہوا وفات ۹۶ سال کی عمر میں ہوئی۔ یہ اگر انگریزی سال ہیں تو پھر اسلامی سال کے حساب سے ۹۹ سال ہوئی۔

حضرت نواب صاحب کے پورے خاندان کو اللہ تعالیٰ نے دین کی دولت سے نوازا ہوا تھا۔ ان کی والدہ ماجدہ کو لوگ اپنے دور کی رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کے نام سے یاد کرتے تھے۔ ہمارے رائے ونڈ کے مشہور بزرگ بھائی عبدالوہاب صاحب اُن کا ایک واقعہ اپنے بیان میں عموماً بیان فرماتے رہتے ہیں کہ آخری عمر میں جب اُن کے سارے دانت گر گئے تو انہوں نے دیوبند کے عظیم مفتی جناب کفایت اللہ صاحبؒ کے پاس آدمی مسئلہ پوچھنے کے لئے بھیجا کہ میرے سارے دانت گر گئے ہیں، اب میں مسواک کی فضیلت کیسے حاصل کروں؟ تو مفتی صاحبؒ نے جواب دیا کہ صرف مسوڑھوں پر اگر مسواک پھیر دیا کریں تو آپ کو مسواک کے فضائل اور ثواب حاصل ہو جائے گا۔

(صفحہ ۴۲ سے آگے)

وہ یہ امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان نعمتوں سے نوازے گا جن کا اس نے اپنے نیک بندوں سے وعدہ کیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ان نعمتوں کو یاد کر کے اس سے حاصل ہونے والی رجاء سے جسم میں عبادت کے لئے نشاط اور بسط و انشراح حاصل کرے۔ خوف اور رجاء دونوں سے آدمی کو عمل پر تحریک ملتی ہے۔ یہ دونوں ایمان اور عملِ صالحہ کے لئے دو پروں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس خیال سے عمل کو تحریک نہ ہو وہ تمنائے کاذب اور غرور ہے۔ بعض لوگ اپنی نیکیاں یاد رکھتے ہیں اور گناہ بھول جاتے ہیں۔ ایک شخص حلال میں حرام کی آمیزش کر کے دولت کماتا ہے اور پھر اس میں خیرات کر کے یہ سمجھتا ہے کہ اگر میں نے ہزاروں درہم ناجائز طریقے سے کمائے اور دس درہم حلال کمائی سے خیرات کئے تو یہ دونوں عمل برابر ہو جائیں گے۔ کسی قدر جاہلانہ تصور ہے۔ اگر ایک پلڑے میں دس درہم رکھ دئے جائیں اور دوسرے پلڑے میں ہزار، تو یہ دونوں پلڑے کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ بعض لوگ اس خوش فہمی میں رہتے ہیں کہ ہماری حسنات (نیکیاں) سیات (برائیوں) سے زیادہ ہیں، ایک شخص دن میں سو سو مرتبہ تسبیح و استغفار پڑھتا ہے، پھر دن بھر مسلمانوں کی غیبت کرتا ہے، ان کی عزت پر حملہ کرتا ہے، لاتعداد مرتبہ زبان سے ایسے الفاظ نکالتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہوتے۔ لیکن ان کی نظر اپنی تسبیح پر رہتی ہے اور وہ بکواس بھول جاتا ہے جو وہ دن بھر کرتا رہا۔ وہ یاد رکھے یا نہ رکھے، کراماً کاتبین نے وہ تمام باتیں لکھ لی ہیں۔

فنا فی المال۔ ھائے پیسہ وائے پیسہ (قسط ۳)

(ڈاکٹر فہیم شاہ صاحب، اسسٹنٹ پروفیسر آف میڈیسن، کوہاٹ میڈیکل کالج)

میں اپنے وارڈ میں کام کر رہا تھا۔ ایک فالج زدہ بیمار کو میں نے C T Scan Brain (سی ٹی سکین دماغ) لکھ کر دیا اور اس کے ساتھ والے رشتہ دار کو پرچا دے کر اچھی طرح سمجھایا کہ دیکھو فلانی جگہ پر جاؤ، اس کے اتنے پیسے بنتے ہیں۔ میں نے سفارشی رقعہ بھی لکھا ہوا ہے، اس لئے وہ آپ سے پیسے بھی کم لے گا۔ وہ کاغذ لے کر باہر نکل گیا۔ میں اپنے کام میں لگ گیا۔ کچھ دیر بعد میں نکلا کہ دیکھوں کہ وہ مریض گیا ہے کہ نہیں۔ لیکن مریض جوں کا توں تھا اور وہ رشتہ دار جگہ پر نہیں تھا۔ میں نے دل میں کہا کہ اللہ کا بندہ پتہ نہیں کدھر چلا گیا۔ کچھ دیر اور گزر گئی، میں ابھی وارڈ کے درمیانی حصہ میں کھڑا تھا کہ وہ روتا پیٹتا ہوا وارڈ میں داخل ہوا۔ میں نے کہا کیا ہوا۔ وہ کہنے لگا، میں باہر کی طرف نکلا تو ایک آدمی مجھے ملا، اس نے کہا کہاں جا رہے ہو، میں نے کہا مریض کو اس ٹسٹ کی طرف لے جانا ہے۔ اس نے جواباً کہا کوئی فکر کی بات نہیں، یہ سارا کام میں خود کرا دیتا ہوں، آپ کو بھاگ دوڑ کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ مریض کے متعلق پوچھا پھر کچھ اور باتیں کر کے مجھ سے پانچ ہزار روپے لے لئے اور کہا کہ تم یہیں بیٹھو، میں ابھی سارا انتظام کئے دیتا ہوں۔ جو پیسے ٹسٹ پر لگ گئے، وہ میں لے کر انہیں دے دوں گا، باقی واپس ہو جائیں گے۔ میں نے کہا ڈاکٹر صاحب تو بتا رہے تھے کہ ٹسٹ پر 1500/ روپے لگیں گے اور اس میں بھی شاید وہ کمی کر دیں، یہ رقعہ بھی دیا ہوا ہے۔ اس نے کہا مجھے پتہ ہے سارا کچھ اتنا تو تمہارے ڈاکٹر کو پتہ نہیں۔ آپ بالکل بے فکر رہیں۔ میں کوئی ظالم نہیں ہوں، صرف آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں، یہاں پر کہاں پھرو گے، اجنبی آدمی ہو۔ مجھے بٹھا کر خود چلا گیا۔ اتنی دیر جو مجھے لگ گئی ہے، اس کا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے بڑا افسوس ہوا اس پر بھی اور اس کی سادگی پر بھی۔ کتنا آسانی سے لوٹ لیا گیا۔ دھوکا کھانا مؤمن کی شان کے خلاف ہے۔ مؤمن کی صفات میں ہے کہ نہ وہ دھوکہ کھاتا ہے نہ دھوکہ دیتا ہے۔ آئے دن ہسپتالوں میں ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ غریب غرباء اجنبی شہر میں ہسپتالوں میں پڑے بیماروں کی خدمت

میں مصروف ان لوگوں کے ہاتھوں نقصان اٹھاتے ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو مال حرام طریقہ سے کمانے کے لئے وقف کیا ہوتا ہے۔ حضرت عیاض بن عمار ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنتی تین طرح کے ہیں۔

۱) ایک وہ حاکم جو عدل وانصاف کرنے والا اور لوگوں کے ساتھ احسان کرنے والا ہے اور جس کو نیکیوں اور بھلائیوں کی توفیق دی گئی ہے۔

۲) دوسرا وہ شخص جو (چھوٹوں اور بڑوں پر) مہربان اور قرابت داروں اور مسلمانوں کے لئے رقیق القلب یعنی نرم دل ہے۔

۳) اور تیسرا وہ شخص جو (ناجائز چیزوں سے) بچنے والا (کسی کے آگے دستِ سوال دراز کرنے سے) پرہیز کرنے والا اور عیال دار (بال بچوں والا) ہے (یعنی محتاج ہونے کے باوجود) ناجائز چیزوں سے بچتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتا۔

اور دوزخی پانچ طرح کے ہیں۔

۱) ایک وہ کمزور آدمی جو گناہوں سے بچنے کی ہمت نہیں رکھتا اور تمہارا تابع اور طفیلی ہے۔ نہ بیوی تلاش کرتا ہے (تا کہ جائز طریقہ پر اپنے خواہش کو پورا کرے) نہ مال کمانے کی فکر کرتا ہے (بلکہ دوسروں کے ٹکڑوں پر زندگی بسر کرتا ہے اور غلط کام کرتا رہتا ہے)

۲) دوسرا وہ خائن و بددیانت آدمی جو پوشیدہ چیزوں کو ڈھونڈ نکالتا ہے اور اس میں خیانت کرتا ہے چاہے طمع کی چیز معمولی کیوں نہ ہو۔

۳) تیسرا وہ آدمی جو صبح وشام تمہیں تمہارے اہل خانہ اور مال میں دھوکا دینے کے چکر میں لگا رہتا ہے۔

۴) اور (چوتھے آدمی کے بارے میں راوی کو اچھی طرح یاد نہ رہا کہ آپ ﷺ نے اس کا کس طرح تذکرہ کیا اس لئے راوی کہتا ہے کہ) آنحضرت ﷺ نے بخل یا جھوٹ کا تذکرہ کیا۔

۵) اور پانچواں آدمی بداخلاق، فحش گو ہے۔ (صحیح مسلم از بکھرے موتی)

ہسپتال میں اپنے آپ کو سنبھال کر رکھنا چاہئے۔ ہوشیار آدمی پوچھ پوچھ کر ہدایت کے مطابق چلتا ہے جب کہ بیوقوف آدمی ٹھوکریں کھاتا ہے۔

میں ایک ڈاکٹر صاحب سے ملنے او پی ڈی میں داخل ہوا تو اندر کچھ ڈاکٹر حضرات چائے اوراس کے ساتھ رکھے لوازمات نوش فرمارہے تھے۔ مجھے بھی شریک ہونے کا کہا، مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ کمپنی کے نمائندہ لوگوں نے انتظام کیا ہے۔ میں نے صاف انکار کر دیا۔ اکثر ڈاکٹروں کی عادت شریف ہے وہ او پی ڈی میں مریضوں کے دیکھنے کے دوران چائے نوش فرماتے ہیں، کبھی اپنے پیسوں کی جو خالی چائے ہی ہوتی ہے یا ساتھ پکوڑے یا بسکٹ ہوتے ہیں اور اگر بھنی ہوئی مرغی یا کیک وغیرہ ہوں تو ضرور یہ کمپنی کے نمائندہ لوگوں کی طرف سے ہوتے ہیں۔ میرے انکار پر ایک ڈاکٹر صاحب مسکرا کر کہنے لگے" ہم نے تھوڑا ہی کہا ہے ان سے کہ یہ چیزیں لے کر آؤ، وہ تو خود دے کر چلے گئے ہیں اور یہ ضروری تو نہیں کہ ہم ان کی دوائیں ہی لکھیں۔ جو چیز بغیر مانگے مل جائے وہ کھا لینا چاہیئے۔ یہ بھی خدا کا رزق ہے، اگر ہم نہیں کھائیں گے تو رزق ضائع ہوگا اور یہ کفرانِ نعمت ہے "میں ان کے ساتھ بیٹھ گیا تاکہ تھوڑی تفصیل ان کے آگے رکھی جائے اور اس کم فہمی کا ازالہ ہو سکے۔ میں نے کہنا شروع کیا کہ" آپ کی بات آپ کو درست معلوم ہوتی ہے حالانکہ یہ ایسا نہیں ہے۔ جو بندہ بھی کسی کو چیز ہدیہ کرتا ہے اس کے پیچھے اس کی نیت ہوتی ہے اور کوئی کمپنی (Return of Investment) کے بغیر کسی کو کوئی چیز نہ کھلاتی ہے نہ دیتی ہے۔ آپ کو اسی نیت سے یہ لوگ کھانے کی اشیاء فراہم کرتے ہیں اور دل جیتنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فاسد نیت اور دنیاوی فائدہ حاصل کرنے کی نیت سے کوئی چیز کسی کے پیٹ میں منتقل کرنا، حرام کے زمرے میں آتا ہے اور روحانی نور سلب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو سب کچھ دیا ہوا ہے، خود اپنے آپ پر خرچ کریں اور دوست و احباب کو بھی کھلائیں نہ کہ حرام کھانے سے اپنے پیٹ کو بھریں۔ نفس مرغن غذا کھانے کا عادی ہے۔ پھر شیطان روحانی حیلہ و بہانہ سے ہمیں مطمئن کر دیتا

ہے کہ کھاتے جاؤ سب ٹھیک ہے۔ اس پر دنیاوی دیندار فتویٰ بھی جاری کر دیتے ہیں کہ یہ سب باتیں حلال ہیں۔ کمپنی سے مراعات حاصل کرنا بھی حلال ہو جاتا ہے، اونچے اونچے ہوٹلوں میں قیام وطعام سب حلال قرار دیا جاتا ہے۔ یہ سب امور اپنے آخرت کو تباہ کرنے والے ہیں کیونکہ بالآخر انہی اخراجات کی بنیاد پر کمپنی اپنی دوائی مہنگی کرتی ہے اور اس کا بوجھ غریب مریض کی جیب پر آتا ہے۔ میں اور آپ ہائے پیسہ وائے پیسہ کے پیچھے لگے ہوتے ہیں''۔

میں ایک ڈاکٹر صاحب کو جو نئے نئے کوہاٹ آئے تھے لے کر تبلیغ کے نئے بننے والے مرکز کی طرف روانہ ہوا تاکہ اس کی سیر بھی ہو جائے اور دین کی فضاء بھی میسر ہو جائے۔ راستے میں باتیں شروع ہوئیں۔ انہوں نے مریضوں کی آمدورفت کے بارے میں مجھ سے پوچھا کہ'' کتنے مریض کلینک میں دیکھتے ہیں اور کتنے ہسپتال میں؟ ہسپتال میں مریضوں کے ساتھ رویہ کیسا ہونا چاہیئے؟ تاکہ کلینک میں بیمار زیادہ ہو جائیں؟ میں نے سنا ہے کہ جو ڈاکٹر ہسپتال میں مریض اچھے طریقے سے دیکھتا ہے اس کے بیمار کلینک میں زیادہ آتے ہیں۔ اس لئے میں آج کل ہسپتال میں مریض نہایت خوش اخلاقی سے دیکھتا ہوں، سب کی آؤ بھگت کرتا ہوں جو خدمت ہو وہ کرتا ہوں'' اس کے جذبات جو دنیاوی نیت پر مبنی تھے، سن کر بڑی حیرت ہوئی۔ جو باتیں دنیا دار ڈاکٹر لوگوں کی زبانی سنتا تھا، آج دین دار کی زبان پر سن رہا ہوں۔ میں نے براہ راست ہر بات کا جواب دینے کی بجائے ایک سخت بات جو اپنے حضرت شیخ صاحب سے سن ہوئی تھی، دینا زیادہ مناسب سمجھا کہ ایک فاحشہ عورت جو اپنا جسم بیچ کر پیسے کماتی ہے، اور وہ اپنے ناز و انداز سے میٹھی میٹھی باتوں سے مرغوب کر کے پیسے بٹورتی ہے، وہ شاید ہم ڈاکٹر صاحبان سے زیادہ بہتر ہے۔ فرق ظاہراً دونوں میں کوئی نہیں ہے لیکن باطناً ایک فرق ہے وہ یہ کہ فاحشہ عورت جب اپنا جسم بیچتی ہے تو اس کو باطن میں گناہ کا احساس ہوتا ہے کہ میں کام گندہ کر رہی ہوں۔ جب کہ ڈاکٹر خدمتِ خلق کو فاسد نیت اور پیسہ کمانے کے لئے استعمال کرتا ہے اور اسے یہ

احساس نہیں ہوتا کہ میں گھٹیا ترین کام کر رہا ہوں۔ کیا میں اور آپ مریضوں کی خدمت خواہ وہ ہسپتال میں ہو یا کلینک میں ہو پیسہ کمانے کے لئے استعمال کریں، ہر جگہ ہائی پیسہ وائی پیسہ ہی ہو۔ ہم نے تو مریض کی خدمت اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے آخرت کے فائدہ کے لئے کرنی ہے کوئی کلینک میں آئے یا نہ آئے رزق مقرر ہو چکا ہے۔ رزق لکھنے والا قلم لکھ چکا ہے اور سیاہی خشک ہو چکی ہے، مقدر کا رزق مل کر رہے گا۔ پھر میں نے اس کو ایک فاحشہ عورت کی مغفرت کی حکایت سنائی جو اپنے حضرت صاحب سے سنی تھی۔ احمد علی لاہوری ؒ اپنے شاگردوں کے ساتھ جا رہے تھے، راستے میں ایک عورت کا جنازہ جاتا دیکھا جس کے ساتھ فقط چار ہی آدمی تھے۔ احمد علی لاہوی ؒ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ دوڑ کر اس جنازے میں شریک ہو جاؤ اور خود بھی دوڑ کر شریک ہو گئے۔ ان کا جنازہ پڑھایا۔ پھر قبر تک ساتھ رہے۔ جنازے کے آدمیوں نے حضرت سے فرمایا کہ حضرت آپ نے اس جنازے میں شرکت کیوں کی، یہ تو ایک فاحشہ عورت کا جنازہ تھا۔ اور دوڑنے کی وجہ بھی اس کے شاگردوں نے دریافت کی تو حضرت صاحب ؒ نے فرمایا میں نے اس جنازہ پر انوارات کی بارش دیکھی کہ اللہ تعالیٰ کا نور اس کے ساتھ ہے، میں نے سمجھا کہ یہ ایک ولیہ کا جنازہ ہے۔ میں دوڑ کر اس لئے شریک ہوا کہ ان انوارات سے ہم مستفید ہو جائیں۔ گو یہ ایک فاحشہ عورت تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی عمل پر اس کی بخشش کر دی ہو گی۔ مجھے اس کی خادمہ سے ملایا جائے جو آخری وقت میں اس کی خدمت پر مامور تھی۔ حضرت صاحب ؒ نے اس کی خادمہ سے اس کے آخری لمحات کا پوچھا تو اس نے کہا حضرت اس عورت نے ساری زندگی گندے کام کئے۔ آخری وقت میں اس کو دست شروع ہو گئے۔ میں اس کو بار بار قضائے حاجت کی جگہ پر لے جاتی۔ آخر میں بہت ہی نقاہت ہو گئی تو میں اٹھا کر لے جاتی اور وہاں پر بٹھاتی بھی خود۔ آخری دفعہ بٹھانے لگی تو کمر قبلہ کی طرف ہو گئی، تو اس نے بہت نحیف آواز سے کہا کہ "اللہ کی بندی میری کمر کو قبلہ سے ہٹاؤ جو ذرا برابر ایمان رہتا ہے وہ بھی تو ختم کرنا چاہتی ہے،

میں نے ساری عمر اللہ کو ناراض کیا، اب آخری وقت میں تو اللہ کو مجھ سے ناراض نہ کر'' میں نے اس کی کمر کو سیدھا کیا اور حاجت کے بعد بستر پر لے کر آئی تو کہا کہ اے اللہ مجھے معاف کر دے، میں نے بہت گناہ کئے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ احمد لاہوری ؒ نے فرمایا بے شک وہ ذات غفور رحیم ہے۔

؎ موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے
قطرے گرے جو تھے میرے عرقِ انفعال کے

میں نے اس سے کہا کہ ڈاکٹر صاحب اگر یہی پیسہ کمانے کی نیت ہوئی میری اور آپ کی تو اس فاحشہ عورت کی مغفرت تو ہو سکتی ہے لیکن میری اور آپ کی نہیں۔ اور آخرت میں اس بات کا محاسبہ ہو گا۔

☆☆☆☆☆☆☆

امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، میں سٹیشن پر پہنچوں، گاڑی چلنے کے لئے تیار کھڑی ہو، میرا ایک قدم پائیدان پر ہو اور دوسرا قدم پلیٹ فارم ہو، گارڈ سیٹی دے چکا ہو، گاڑی چلنے لگے، ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اور پکارا احمد علی، احمد علی، اللہ کا قرآن سمجھا کے جا۔ فرماتے تھے، میرا دوسرا قدم پائیدان پر بعد میں پہنچے گا، آنے والے کو میں پورا قرآن سمجھا کے جاؤں گا۔

کسی نے پوچھا، حضرت پورا قرآن اتنی سی دیر میں کیسے سمجھا دیں گے؟

فرمایا، ہاں قرآن کا خلاصہ تین چیزیں ہیں، رب کو راضی کرو عبادت کے ساتھ، شاہِ عرب صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرو اطاعت کے ساتھ اور اللہ کے مخلوق کو راضی کرو خدمت کے ساتھ۔ یعنی عبادت اللہ تعالیٰ کی، اطاعت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت خلقِ خدا کی۔ یہ پورے قرآن کا خلاصہ ہے۔ (آئی ایم ایس پبلیکیشنز کی کتاب 'مختصر پُر اثر' سے انتخاب)

غرور و غفلت کی مذمت کا بیان

(ڈاکٹر سید ناصر شاہ، ایسوسیئٹ پروفیسر، سردار بیگم ڈینٹل کالج، پشاور)

زیرِ نظر مضمون امام غزالیؒ کی مشہور و مقبول کتاب احیاء علوم الدین (المعروف احیاء العلوم) کے ایک باب کی تلخیص کی کوشش ہے۔

دنیا و آخرت کی فلاح و کامیابی کا انحصار ایمان و معرفت اور صراطِ مستقیم پر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ اس لئے بندہ کے لئے ایمان و معرفت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ ایمان و معرفت سے قلب میں آئے ہوئے نور کو شرحِ صدر کا نام دیا گیا ہے۔ اس نور سے بندہ حق و باطل کو پہچان سکتا ہے اور دائمی سعادت حاصل کر سکتا ہے اور بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجابات کو دور کر سکتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص ایسے اعمال میں مبتلا ہو جو نقصِ ایمان کا باعث ہوں تو قلب میں تاریکی ہوگی۔ ایسا شخص حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکے گا۔ اس لئے کفر و معصیت سے بڑھ کر کوئی بدبختی نہیں۔ یہ بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجابات (پردوں) کا باعث بنتا ہے اور بندہ دائمی سعادت سے محروم ہوتا ہے۔ کتنے افسوس اور یاس والم کا مقام ہوگا جب ایک انسان تمام زندگی اپنے آپ کو ہدایت کی راہ پر تصور کرتا ہوگا، اپنے آپ کو دین کا خادم جانتا ہوگا اور عین موت کے وقت، جبکہ تلافی کے لئے کوئی مہلت نہ ہوگی، اس پر یہ اندوہناک خبر کھل جائے کہ وہ صراطِ مستقیم پر نہیں ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نظروں سے گرا ہوا ہے اور انتہائی طویل، پُر خطر اور دشوار گزار سفر درپیش ہے لیکن وہ خالی ہاتھ ہے، توشہ سے محروم ہے۔ وہ سرمایۂ حیات کو غلط جنس پر لگا کر ضائع کر چکا ہے۔ ہائے افسوس! اس وقت وہ شخص انتہائی غم، تکلیف اور خوف کی حالت میں ہوگا۔ اگر ہم اپنی سوچ و فکر کی تمام قوتیں صَرف کر لیں، تب بھی اس شخص کے یاس والم، حسرت و پشیمانی، خوف و تکلیف کے عشرِ عشیر کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اس لئے کہ وہ تو عالم ہی اور ہوگا۔ اس دنیا میں صرف اس کی مثالیں ہی بیان کی جا سکتی ہے۔ ؎

ہائے ناکامی کہ دمِ مرگ یہ معلوم ہوا
خواب تھا جو کچھ بھی دیکھا، جو سنا افسانہ تھا

غفلت و غرور سے بچ کر صراطِ مستقیم پر چلنے کی اشد ضرورت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا

ہے کہ ہر نماز، خواہ وہ فرض ہو، سنت ہو یا مستحب ہو، اللہ تعالیٰ سے ایک ہی دعا پر سب سے زیادہ زور ہے۔ ''اھدنا الصراط المستقیم'' (چلا ہم کو راہ سیدھی پر) ''صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین'' اس میں ایمان و معرفت والوں کی راہ مانگی گئی ہے، غفلت وغرور سے پناہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس لئے ان سارے اسباب کو بیان کرنا اشد ضروری ہے جو صراطِ مستقیم سے انسان کو موڑ کر کج روی اور گمراہی پر ڈال دیں۔ اگر کسی شخص کے معتقدات اس کی نفسانی خواہشات کے مطابق ہوں اور وہ ان کی صحت کے لئے مشتبہ دلائل اور فاسد خیالات کا سہارا لے رہا ہو جبکہ وہ دلائل نہ ہوں تو ان غلط دلائل کے ذریعے جو جہالت اور گمراہی حاصل ہوتی ہے اسے غرور کہا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غرور اس خیال کو کہتے ہیں جو شیطان کے شبہے یا فریب کے باعث دل میں راسخ ہو جائے اور وہ خواہشِ نفسانی کے مطابق ہو۔ چنانچہ ہر وہ شخص مغرور کہلائے گا جو کسی فاسد شبہے کی بناء پر اپنے نفسانی خواہشات کو خیر و فلاح اور دینداری کا راستہ (یا صحیح طریقہ) سمجھتا ہو۔ اکثر لوگوں کا یہی حال ہے کہ وہ اپنے آپ کو خیر پر سمجھتے ہیں حالانکہ وہ غلطی پر ہوتے ہیں۔ غفلت وغرور میں مبتلا لوگوں کو دو بڑی جماعتوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک کفار و فساق کی جماعت اور دوسری ان مسلمانوں کی جماعت جو اپنی دانست میں دین کا کام کر رہے ہوتے ہیں لیکن نیت یا طریقے میں غلطی کی بنیاد پر غفلت وغرور کا شکار ہوتے ہیں۔ ان مسلمانوں کو مزید چار گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہیں۔ فرقۂ علماء، فرقۂ زاہدین، فرقۂ صوفیاء اور فرقۂ رؤساء۔

۱۔ کفار و فساق میں سے بعض کو دنیاوی زندگی نے غفلت وغرور (دھوکے) میں مبتلا کیا ہے۔ ایسے لوگ کہتے ہیں کہ نقد ادھار سے بہتر ہے۔ دنیا نقد ہے اور آخرت ادھار۔ اس لئے دنیا ہی اختیار کرنی چاہئے۔ یہ ٹھیک ہے کہ دنیا نقد ہے اور آخرت ادھار، لیکن جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ نقد ادھار سے بہتر ہے، یہ تب صحیح ہے جب نقد اور ادھار دونوں مقدار میں برابر ہوں۔ اگر ادھار نقد کی بہ نسبت بہت زیادہ ہو (جیسا کہ اس صورت میں ہے) تو پھر یقیناً ادھار نقد سے بہتر ہے۔ یہ فریب خوردہ کافر تجارت میں ایک روپیہ اس خیال سے لگاتا ہے کہ اس سے دس کمائے گا۔ کیا یہ دس روپے ادھار نہیں؟ اس وقت یہ کیوں نہیں کہتا کہ نقد ادھار سے بہتر ہے۔ لہٰذا اس کا عمل خود اس کے دعوے کی تکذیب کرتا ہے۔

۲۔ وہ کفار اور فساق جنہیں شیطان نے غرور وغفلت میں مبتلا کیا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ یقین شک سے بہتر ہے۔ دنیا یقین ہے اور آخرت مشکوک۔ یہ دونوں باتیں قطعاً غلط ہیں۔ ایک تاجر تجارت میں پیسہ لگاتا ہے اور نفع حاصل کرنے کے لئے مشقت اٹھاتا ہے۔ اس کی مشقت یقینی ہے اور نفع مشکوک۔ اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ لیکن کوئی بھی مشکوک (نفع) کے لئے یقین (مشقت) ترک نہیں کرتا۔ غرضیکہ جتنے بھی امور ہے عقلمندوں کے ہاں یہی طریقہ ہے۔ حتٰی کہ وہ کفار وفساق جو کہتے ہیں کہ یقین شک سے بہتر ہے وہ بھی عملاً یہی ظاہر کرتے ہیں کہ شک (نفع۔ آخرت) یقین (مشقت۔ دنیا) سے بہتر ہے۔ شیطان یہ بات بھی دل میں ڈالتا ہے کہ آخرت مشکوک ہے۔ یہ بھی غلط ہے۔ اہل ایمان آخرت کے وجود پر یقین رکھتے ہیں۔ اس یقین کی بنیاد دو چیزوں پر ہے، ایک ایمان اور انبیاء ورسل کی تصدیق اور علماء کی تقلید۔ روزمرہ کی زندگی میں ہم کسی شعبے کے ماہر کی بات پر یقین کرتے ہیں۔ اور اس پر دنیا کا نظام چلتا ہے۔ مریض طبیب کی تجویز کردہ دوا اور پرہیز کو بلا چوں و چرا تسلیم کر لیتا ہے۔ اگر کوئی کم عقل یا دیوانہ ڈاکٹر کی تجویز رد کرتا ہے تو مریض اس دیوانے کی نکتہ چینی سے متاثر ہو کر ماہر اطباء کی تکذیب نہیں کرتا۔ اسی طرح صاحبِ عقل مؤمن کسی بیوقوف انسان کے کہنے پر انبیاءؑ کے بتلائے ہوئے راستے سے انحراف نہیں کرتا۔ آخرت کے یقینی ہونے کی دوسری وجہ انبیاءؑ کے لئے وحی اور اولیاء کرامؒ کے لئے الہام ہے۔ اس دور کے اہل ایمان کے یقینِ تقلیدی کا تعلق دلوں کی بجائے زبانوں سے ہے۔ وہ بظاہر مؤمن ہیں لیکن درحقیقت اللہ تعالیٰ کے اوامر کی پابندی سے منحرف ہیں۔ اعمال صالحہ ترک کر بیٹھے ہیں اور شہوات ومعاصی میں مشغول ہیں۔ اس لحاظ سے یہ ظاہری مؤمن بھی اس معاملے میں کفار کے شریک ہیں۔ آخرت کی زندگی پر دنیا کی زندگی کو ترجیح دینے میں وہ ان سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ ان کا معاملہ زیادہ شدید اس لئے نہیں کہ اصلِ ایمان کی دولت سے مالا مال ہیں۔ اگرچہ دوزخ میں جائیں گے لیکن اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر باہر آجائیں گے۔

۳۔ کافروں اور گنہگاروں کو اللہ کی نسبت سے سخت مغالطہ ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر قیامت برپا ہوئی تو ہم دوسروں کی بہ نسبت اجر وثواب کے زیادہ مستحق ہوں گے۔ کفار جب دیکھتے ہیں کہ ہمیں دنیا میں بیشمار نعمتیں میسر ہیں تو وہ ان نعمتوں پر اخروی نعمتوں کو قیاس کر بیٹھتے ہیں۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں

انہیں عذاب اور تکالیف سے محفوظ رکھا گیا تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم آخرت کے عذاب سے بھی محفوظ رہیں گے۔اسی طرح جب وہ غریب اور تنگدست مسلمانوں کو دیکھتے ہیں تو اہانت آمیز انداز میں کہتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو مؤمن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ان کی حالت سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایمان اچھی چیز نہیں۔ اگر ایمان کوئی اچھی چیز ہوتی تو ان حقیر اور ذلیل لوگوں سے پہلے ہمیں ملتی۔وہ اپنے دل میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا کی نعمتوں سے نوازا ہے اور ہم پر احسان کیا ہے اور جو محسن ہوتا ہے اسے محبت ہوتی ہے اور جسے محبت ہوتی ہے، وہ اپنے احسان کا سلسلہ منقطع نہیں کرتا۔وہ یہ سمجھتا ہے کہ اگر میں بزرگ، عظیم اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ مجھ پر یہ احسانات نہ کرتے۔وہ اس مغالطے میں پڑ گیا کہ اللہ تعالیٰ کا نعمتوں سے نوازنا احسان ہے۔ایسا مغرور دنیا پاکر خوش ہوتا ہے اور اسے اپنی بڑائی تصور کرتا ہے اور جب دنیا اس سے منہ پھیرتی ہے تو اسے اپنی اہانت قرار دیتا ہے۔ان لوگوں کی تصویر ان آیات میں ہے۔

”فاماالانسان اذا ماابتلاہ ربہ فاکرمہ ونعمہ فیقول ربی اکرمن واما اذا ما ابتلاہ فقدر علیہ رزقہ فیقول ربی اھانن ° کلا “ ترجمہ:(سو آدمی کو جب اس کا پروردگار آزماتا ہے یعنی اس کو (ظاہراً) اکرام وانعام دیتا ہے تو وہ (بطور فخر) کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر بڑھادی۔اور جب اس کو (دوسری طرح) آزماتا ہے یعنی اس کی روزی اس پر تنگ کردیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر گھٹادی۔ہرگز نہیں)

اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح فرمادی کہ یہ اس کا غرور ہے۔حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ ”کلا “ سے ان دونوں باتوں کی تکذیب کی ہے۔یعنی نہ یہ میرا اکرام ہے اور نہ یہ میری اہانت ہے بلکہ کریم وہ ہے جسے میں اپنی اطاعت کے شرف سے نواز دوں، خواہ وہ غنی ہو یا فقیر اور ذلیل وہ ہے جس کی میں اپنی معصیت سے اہانت کردوں خواہ وہ مالدار ہو یا تنگدست۔

مؤمن گنہگار بھی اللہ کی نسبت ایک زبردست مغالطے میں مبتلا ہیں۔وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کریم ہے، ہم اس کی کرم کے امیدوار ہیں۔چنانچہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عفو وکرم پر بھروسہ کرلیتے ہیں اور اعمال سے غفلت برتنے لگتے ہیں، وہ اپنی اس جھوٹی امید کو ”امید کرم“ اور ”رجاء“ کا نام دیتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت وسیع ہے، اس کی رحمت عام اور کرم تمام مخلوق کو محیط ہے، اس کی رحمت کے

وسیع سمندر میں ہمارے گناہ چند قطروں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ ہم اپنے ایمان کے وسیلے سے بخشش کے طلبگار ہیں۔ بعض اوقات ان کی امیدوں کا دارمدار اپنے آباؤ اجداد کی عظمت اور بزرگی پر ہوتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے سید اپنے نسبت پر نازاں ہوں اور خوف وخشیت اور ورع و تقویٰ میں اپنے آباؤ اجداد کی سیرت کے خلاف ہوں۔ حالانکہ ان کے آباؤ اجداد اپنے انتہائی ورع و تقویٰ کے باوجود خائف رہا کرتے تھے اور یہ فسق و فجور کی انتہائی حدود سے تجاوز کرنے کے بعد بھی بے حد مطمئن ہیں۔ یہ ایک انتہائی سخت مغالطہ ہے۔ ان فریب خوردہ لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ حضرت نوح ؑ نے اپنے (کافر) بیٹے کو کشتی میں لے جانے کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''اے نوح! یہ شخص تمہارے گھر والوں میں سے نہیں ہے۔ یہ تباہ کار ناشائستہ ہے'' اس طرح حضرت ابراہیم ؑ نے اپنے والد کے لئے مغفرت کی دعا کی تھی۔ لیکن ان کی دعا قبول نہیں ہوئی۔ حضور ﷺ نے اپنی والدہ محترمہ کی قبر کی زیارت اور دعائے مغفرت کی اجازت چاہی۔ تو صرف زیارت کی اجازت دی گئی، دعائے مغفرت سے روک دیا گیا۔ شیطان انسان کو اللہ تعالیٰ کے عفو و کرم سے متعلق آیات واحادیث سامنے لاکر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ مثلاً حدیث قدسی میں ہے ''میں اپنے بندے کے گمان کے قریب ہوں، مجھ سے خیر کا گمان رکھنا چاہئیے'' یہ اور اس طرح کی دوسری آیات واحادیث اپنی جگہ صحیح ہیں۔ ایک مؤمن کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہی عقیدہ رکھنا چاہئیے۔ لیکن شیطان انسان کو اسی طریقے سے جھوٹی امیدیں دلا کر اللہ تعالیٰ سے بے خوف اور اس کے عذاب سے مامون ہونے کا یقین دلاتا ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان جھوٹی امیدوں کو حماقت قرار دیا ہے، فرمایا ''عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کو مطیع رکھے، موت کے بعد کی زندگی کے لئے عمل کرے اور احمق وہ ہے جو اپنے نفس کو اس کی خواہشات کے تابع بنادے اور اللہ تعالیٰ سے امیدیں رکھے۔'' آخرت کا ثواب اعمال کی جزاء ہے۔ جو لوگ نیک عمل کرتے ہیں، انہیں اس خوف کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار رہنا چاہئیے کہ کہیں ہمارے اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول نہ ہوں۔ بے عمل لوگ کسی منہ سے رحمت کی آرزو کرسکتے ہیں۔ حضرت حسن بصری ؒ سے کسی نے عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ سے توقع رکھتے ہیں اور عمل نہیں کرتے۔ آپ ؒ نے فرمایا '' توقع نہیں بلکہ تمنائے کاذب ہے، ورنہ جس شخص کو توقع ہوتی ہے، وہ اس کی جستجو بھی کرتا ہے اور جسے خوف ہوتا ہے وہ (گناہ سے)

دور بھی بھاگتا ہے''۔ مسلم بن یسارؒ نے فرمایا کہ میں نے رات کو اتنی زور سے سجدہ کیا کہ میرے آگے کے دونوں دانت ٹوٹ گئے۔ لوگوں نے کہا کہ ہم تو اللہ تعالیٰ سے رجاء (امید) رکھتے ہیں، اس لئے عمل کی مشقت نہیں اٹھاتے۔ مسلمؒ نے فرمایا واہ! یہ بھی کوئی رجاء ہے، آدمی کو جس چیز کی توقع ہوتی ہے اس کی جستجو بھی ہوتی ہے، اگر تم مغفرت کی آرزو کرتے ہو تو اس کو پانے کی کوشش بھی کرو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اولاد کی توقع کرے اور شادی نہ کرے، جس طرح یہ شخص بے وقوف کہلاتا ہے اس طرح وہ شخص بھی دیوانہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار ہے اور ایمان یا اعمالِ صالحہ یا تقویٰ سے محروم ہے، مؤمن کو تو اعمالِ صالحہ کے بعد بھی خوف و رجاء دونوں رکھنے چاہئیں۔ مؤمن کو اچھے اعمال کرنے چاہئے، اس خوف کے ساتھ کہ مغفرت کی درخواست رد بھی ہوسکتی ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ زندگی بھر اچھے اعمال کرتا رہے اور انجام برا ہو۔ اللہ تعالیٰ سے یہ امید رکھنی چاہئے کہ وہ اپنے راستے پر ثابت قدم رکھے۔ سکراتِ موت کی لغزشوں سے بچائے، توحید پر خاتمہ ہو۔ زندگی میں کبھی قلب شہوات کی طرف مائل نہ ہو۔ جو شخص اس طرح کی رجاء رکھتا ہے، وہ عقلمند کہلانے کا مستحق ہے۔ اس سے تجاوز کرنے والا مغرورین میں شامل ہوگا۔ یہ لوگ بہت جلد جان لیں گے کہ گمراہ کون تھا۔ بعض مواقع پر رجاء بہتر بھی ہے۔ جب آدمی معاصی پر نادم اور توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کا نیک بندہ بننا چاہے، توبہ پر آمادہ گنہگار مؤمن کا بہکانا شیطان کے لئے ضروری ہے۔ وہ ایسے توبہ سے باز رکھنے میں پوری قوت صرف کر دیتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ بھلا تجھ جیسے گناہ گار کی توبہ کیسے قبول ہوگی۔ بعض لوگ شیطان کے بہکانے میں آکر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس بھی ہوجاتے ہیں۔ اس موقع پر رجاء سے کام لے کر مایوسی دور کرے اور یہ بات ذہن میں رکھے کہ اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کرنے والا ہے، کریم ہے، مہربان ہے، اس کی رحمت لامحدود ہے، وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ توبہ ایک عبادت ہے جو گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں، تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس مت ہو، بالیقین اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا، وہ بڑا بخشنے ولا، بڑی رحمت والا ہے، اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو۔'' دوسرا مقام رجاء کا وہ ہے جب آدمی کا نفس فرائض کے علاوہ نوافل اور فضائل سے قاصر ہو اور

(باقی صفحہ ۳۰ پر)

ہمارے ہسپتال اور ڈاکٹر

(ڈاکٹر محمد جاوید صاحب انجینیئر نگ یونیورسٹی، پشاور)

ماہ اکتوبر کے غزالی رسالے میں ڈاکٹر فہیم صاحب کے مضمون میں تھا ''حضرت خیال محمد صاحب فرماتے ہیں کہ پہلے ڈاکٹر آنکھ بند ہوتے ہی جنت کے مستحق ہوتے تھے اور اب آنکھ بند ہوتے ہی دوزخ کے اہل قرار پاتے ہیں۔ کیونکہ پیسے میں جان ہے''۔ یہ پڑھ کر میرا بھی دل چاہا کہ میں بھی اپنی روداد سناؤں۔

میرے ماشاءاللہ چار بچے ہیں۔ پہلے دو بچے اپنے نارمل طریقے سے ہوئے۔ تیسری بچی حیات آباد پشاور کے ایک بہت مشہور پرائیویٹ ہسپتال میں ہوئی۔ ابھی اس کی پیدائش والی تاریخ میں دن تھے کہ ڈاکٹرنی نے اچانک میری اہلیہ کو آپریشن کا کہا اور وجہ یہ بتائی کہ بچی کی گردن پر تین دفعہ ناڑ لپٹی ہوئی ہے۔ آپریشن کے بعد میری اہلیہ نے کافی ڈاکٹروں سے مشورہ کیا تو انھوں نے کہا کہ آپریشن ضروری نہ تھا۔

چوتھے بچے کی پیدائش سے پہلے مشہور ہسپتال کہ بجائے ایک دوسری ڈاکٹرنی سے علاج شروع کیا جو کہ ایک دیندار ڈاکٹر نے ریفر کیا تھا۔ تقریباً حمل کے نویں مہینے میں ایک الٹرا ساؤنڈ کا کہا اور اس کی رپورٹ پر پھر آپریشن کا کہا۔ ڈاکٹرنی کا کہنا تھا کہ اگر پرائیویٹ ہسپتال میں کرنا ہے تو چالیس ہزار روپے لگیں گے اور اگر سرکاری ہسپتال میں کریں گے تو تقریباً پچیس ہزار لگیں گے۔ اس بات پر ہم سوچ میں پڑ گئے کہ سرکاری ہسپتال میں دواؤں کے علاوہ اور خرچہ نہیں ہوتا تو تقریباً بیس ہزار یہ خود لے گی۔ پھر ہم نے لیڈی ریڈنگ ہسپتال کی ایک ماہر پروفیسر ڈاکٹر مسرت حلیمی صاحبہ سے مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ پرائیویٹ ڈاکٹر ویسے ہی پیسوں کے لئے آپریشن کرتے ہیں۔ اس میں آپریشن کی کوئی ضرورت نہیں۔ بچہ اور ماں دونوں صحت مند ہیں۔ پھر اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر فدا صاحب سے مشورہ کیا تو انھوں نے مرسی (Mercy) ہسپتال جانے کا فرمایا۔ وہاں پر بھی ڈاکٹرنی نے انتظار کرنے کو کہا اور آپریشن کی تجویز کو رد کیا۔ اللہ کا بہت فضل ہے کہ بچہ اپنے نارمل طریقے اور بہت آسانی سے ہوا۔

اگر ڈاکٹر صاحب سے بیعت کا تعلق نہ ہوتا تو ایک دفعہ پھر ڈاکٹرنی کا کہنا مان کر آپریشن کروا لیتے۔ اللہ ہم سب کو ہدایت دے اور ایسے ڈاکٹروں سے بچائے۔ آمین۔

ایک خط

(ڈاکٹر یاسر نسیم صاحب، سعودی عرب)

میرے پیارے محترم حضرت شیخ صاحب

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ احسان ہوا اور آپ کی دعاؤں کی بدولت اللہ پاک نے حجِ قران نصیب فرمایا۔ والدہ صاحبہ، بیوی اور آٹھ ماہ کے بچے کے ساتھ کافی مشکل تھا لیکن آپ کی دعاؤں اور مشورے کی بدولت اللہ تعالیٰ نے آسانیاں پیدا فرمائیں۔ حج کی آسان ومفید ترتیب کو دو تین بار پڑھا اور جب گھر والوں کو بھی پڑھایا اور گروپ میں شامل چند پاکستانیوں کے سامنے بھی کچھ مضامین پڑھ لئے تو کافی مثبت اثر پڑا۔ سب لوگوں نے خوب اعمال کئے اور لوگوں کی خدمت بھی کی۔ کچھ غریب لوگ بھی ہمارے ساتھ تھے، ان لوگوں کا حال ویسے ہی پایا جیسا کہ کتاب کے شروع میں چند صفحات لکھے ہوئے ہیں۔ حج کے بعد سعودی کونسل کا امتحان تھا۔ آپ کے دعاؤں کی بدولت اللہ تعالیٰ نے مجھے کامیاب کر دیا۔ سلسلے کی ویب سائٹ بہت فائدہ دیتی ہے، اکثر بیانات جو کہ پہلے نہیں سنے ہوئے تھے، سننے کا موقع مل گیا اور غزالی رسالے کا تو ہر مہینے انتظار رہتا ہے۔ جس دن ویب سائٹ پر آتا ہے، بہت دل خوش ہوتا ہے۔

چترال اجتماع کے بیانات سن کر بہت اثرات پڑے، ایک تو دل میں یہ خواہش جو پہلے سے موجود تھی، زیادہ زور پکڑ گئی کہ آپ کا ایک سفر اگر روس کے کسی علاقے یا کسی ریاست میں ہو جائے تو مجھ ناکارہ کا بھی کچھ حصہ دین پھیلانے میں آپ کی برکت سے شاید پڑ جائے۔ تھوڑا ترجمہ وغیرہ اور آپ کی خدمت کچھ کر لوں۔ کرغزستان میں میرا ایک دوست ہے جو کہ وہاں زیرِ تعلیم ہے، اس علاقے کی آبادی پانچ ملین ہے، وہاں کے دارالخلافے کا جو قاضی ہے وہ رائیونڈ مدرسے سے فارغ ہے اور دینی لحاظ سے سب سے بڑا عالم مانا جاتا ہے۔ اس کو بہت روانی کے ساتھ اردو آتی ہے۔ ادھر ایک مدرسہ بھی ہے جو کہ رائیونڈ اور ہندوستان کے تبلیغی مرکز کے مشورے پر چل رہا ہے۔ یہ

روس کی آزاد شدہ ریاست ہے اور سب سے زیادہ تبلیغ کا کام یہاں ہوتا ہے۔ سال میں ایک بار تبلیغی اجتماع بھی ہوتا ہے۔ روس کی تمام باقی ریاستوں میں لوگ دین سے نا آشنا ہیں اور بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ہم ہیں تو مسلمان لیکن جب ہم بوڑھے ہو جائیں گے تب مسجد جائیں گے، پھر کلمہ اور نماز سیکھیں گے۔ یہ لوگ آباؤ اجداد سے مسلمان ہیں۔ باقی دہریئے بھی کافی ہیں اور عیسائی بھی ہیں۔ کرغزستان کے علاوہ روس کے دوسرے علاقوں میں اگر جائیں تو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پولیس بھی تنگ کرتی ہے اور حکومت کی طرف سے بھی دباؤ ہوتا ہے۔ جیسا کہ مختلف تبلیغی جماعتیں وہاں سے ہو کر آئیں ہیں اور میں نے خود بھی دیکھا ہے۔ ان کے مجاہدات کے بعد جو لوگ تبلیغ میں لگے ہیں، وہ سیدھے پاکستان آئے ہیں اور عالم بن کر واپس گئے ہیں اور جو لوگ وہاں بھی اُن سے ملے ہیں وہ بھی پانچ وقت کے پابند نمازی بنے ہیں۔

ازبک لوگوں میں جو بڑے عالم اور مفتی ہیں، وہ اکثر دیو بند کا رخ کرتے ہیں۔ وہاں علم حاصل کر کے آتے ہیں اور اپنی محلے کی مسجدوں میں امام بن جاتے ہیں۔ ان لوگوں میں اکثر تصوف کا بھی ذوق پایا جاتا ہے۔ ازبک اور تاجک دونوں قوموں کے حالات اور معاشرت ایک جیسی ہے لیکن حکومت کی طرف سے کافی سختی ہے۔ تبلیغی جماعت کو بھی سرِ عام ان ملکوں میں اجازت نہیں ہے۔ قازقستان کے لوگ اکثر مسلمان ہیں لیکن اکثر مسلمانوں کو کلمہ بھی ٹھیک نہیں آتا، بہت سیدھے سادے لوگ ہیں۔ بات کریں تو توجہ کے ساتھ سنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرا دادا بھی اسی طرح کہا کرتا تھا۔ اور یہی حال تاتارستان کے لوگوں کا ہے۔ تاتارستان کا دارالخلافہ قازان ہے اور روس میں واقع ہے۔ ادھر کے لوگ بھی دین کے بہت پیاسے ہیں۔ جو پرانی اسلامی کتابیں عربی، فارسی اور ترکی زبان میں ہم نے دیکھیں تو وہ روس سے پہلے کے دور میں قازان سے ہی چھپی ہوئی تھیں۔ اکثر لوگ قازان شہر میں جا کر اسلامی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ یہ مختصر سے حالات ہیں۔ میں خدمت کے لئے حاضر ہوں اور مجھ ناکارہ سے جو خدمت ہو سکی، انشاء اللہ اپنی طرف سے پوری کوشش کروں گا۔ جو آپ کی طرف سے حکم ہو۔

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

روحانی علاج (دوسری قسط)

(ڈاکٹر محمد سفیر صاحب، کنسلٹنٹ فزیشن، نیشنل ڈائیگناسٹک سنٹر، پشاور)

پانچواں واقعہ:

پروفیسر فضل الرحمان صاحب جغرافیہ ڈیپارٹمنٹ پشاور یونیورسٹی کے بھائی رمضان المبارک سے ایک ماہ قبل کلینک علاج کے سلسلے میں آئے۔ حافظِ قرآن ہیں اور مقامی مسجد میں امامت کی خدمت بھی سرانجام دے رہے ہیں۔ ان کی بیماری کی تفصیل سننے کے بعد یہ بات ذہن میں آئی کہ ان کی تمام تکالیف کی بنیادی وجہ خون کی کمی ہے۔ متعلقہ لیبارٹری ٹیسٹ کروائے جس سے خون کی واضح کمی سامنے آئی۔ ان کا ایچ بی (Haemoglobin) غالباً ۵ سے بھی کم تھا۔ خون کی اس قدر کمی کی وجوہات معلوم کرنے کے لئے بون میرو (Bone Marrow) کا ایک ٹیسٹ کروایا جس کا نتیجہ آیا Myelodysplastic Syndrome with Refractory Anaemia with Excessive Blasts. یہ ایک قسم کا خون کا کینسر ہے۔

علاج کی ساری تفصیل پروفیسر صاحب کو بتائی۔ بات تو تشویش کی تھی کیوں کہ حافظ صاحب کی عمر ۴۰ سال سے کم، بال بچے دار، صرف امامت کی خدمت پر گزراوقات ہے۔ بندہ نے مریض کو خوب حوصلہ دیا کہ انشاء اللہ آپ ٹھیک ہو جائیں گے اور جو ممکن علاج میرے بس میں ہے وہ میں کروں گا۔ اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ آپ تندرست ہو جائیں گے۔ حافظ صاحب نے کہا: ''ڈاکٹر صاحب! رمضان المبارک کا مہینہ قریب ہے۔ میں نے تراویح میں قرآن ضرور سنانا ہے اگرچہ اس وقت اتنی تکلیف ہے کہ ایک جملہ کہتے ہوئے میرا سانس پھول جاتا ہے اور عصر مغرب کی مختصر نمازیں بھی نہیں پڑھا سکتا۔ اکثر نمازیں بیٹھ کر پڑھاتا ہوں۔ ان حالات میں تراویح کس طرح پڑھا سکوں گا؟'' حافظ صاحب کی رنگت مکمل طور پر زرد تھی اور واقعی ایک دو جملوں میں ان کا سانس اُکھڑ جاتا تھا اور بات کرتے کرتے تھک جاتے تھے۔ ڈاکٹری نقطۂ نظر سے رمضان المبارک کی تراویح پڑھانا اور روزے رکھنا تو درکنار غیر رمضان کی نمازیں پڑھانے اور عام روزمرہ

کاموں کے لئے حافظ صاحب مکمل طور پر unfit تھے۔ بندہ کے خیال میں کم ازکم عرصہ چھ ماہ تک ان کو علاج کے ساتھ ساتھ مکمل بدنی آرام کرنا تھا۔

صحت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اپنی کم وقعتی بھی نظر میں ہے لیکن اس بات کا یقین ہے کہ جن اللہ والوں نے اس کام کے لئے بٹھایا ہے ان کی برکت سے اللہ حافظ صاحب کو ضرور صحت یابی عطا فرمائے گا۔ حافظ صاحب کو مکمل حوصلہ دینے کے ساتھ ان کا علاج شروع کر دیا اور ساتھ اپنے حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ کا مرتب کردہ نقش حافظ صاحب کو دیا کہ اس نقش کو پورے اعتماد اور یقین سے اس ترتیب پر پڑھیں جو اس میں دی ہوئی ہے۔ انشاءاللہ حیرت انگیز نتائج آپ بھی دیکھیں گے اور میں بھی۔

الحمدللہ! متعلقہ علاج کے ساتھ ساتھ حافظ صاحب نے نقش کی پابندی کی اور حیرت انگیز نتائج ہمارے سامنے آئے اور تھوڑے دنوں میں واضح فرق صحت میں آیا۔ رمضان سے ایک ہفتہ پہلے حافظ صاحب چیک اپ کے لئے آئے۔ خون کی کمی میں کافی فرق آچکا تھا۔ نماز بھی آسانی سے پڑھا سکتے تھے، ڈاکٹری نقطۂ نظر سے بندہ نے حافظ صاحب کو مشورہ دیا کہ تراویح تو درکنار آپ رمضان کے روزے بھی نہ رکھیں۔ آپ کی تکلیف بڑھ سکتی ہے۔ جب آپ صحت یاب ہوں تو قضا روزے رکھ لیں۔ خیر حافظ صاحب نے میری بات پر کوئی خاص دھیان نہیں دیا اور علاج کی تفصیل لے کر چلے گئے۔ رمضان کے کچھ دنوں بعد چیک اپ کے لئے پھر تشریف لائے۔ بہت خوش تھے۔ حالات پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ الحمدللہ روزے بھی رکھے ہیں اور تراویح میں قرآن بھی سنایا ہے بغیر کسی تکلیف کے۔ واقعی یہ غیر متوقع نتائج حافظ صاحب کے لئے بھی اور میرے لئے بھی حیرت انگیز تھے۔ یہ برکت صرف نقش کی پابندی کرنے سے حاصل ہوئی ورنہ بندہ نے اس بیماری کے مریضوں کو بہت تکالیف میں دیکھا ہے۔ بہت افسوس ہوتا ہے کہ آج ہم علاج کے لئے سارے مادی وسائل اختیار کرتے ہیں لیکن روحانی علاج کی طرف التفات (خیال) تک ذہن میں نہیں لاتے جس وجہ سے اس عظیم رحمت اور برکت سے محروم ہیں۔

چھٹا واقعہ:

بندہ کے کلینک کی لیبارٹری کے انچارج بہت ماہر Technician ہیں۔ ایک دن انھوں نے عرض کیا کہ ان کی چچی بہت بیمار رہتی ہے اور ان کی خاندانی بیماریوں میں سے ایک بیماری کینسر ہے۔ مجھے شک ہے کہ اس چچی کو بھی کینسر ہے۔ آپ ان کا معائنہ کریں اور مرض کی تشخیص کے لئے جو ٹیسٹ ہوں وہ میں کرلوں تا کہ بروقت علاج ہو جائے۔ بندہ نے کہا ٹھیک ہے لے آئیں۔

مریضہ کی عمر ۵۰ سال کے قریب ہوگی۔ بیماری کی تفصیلات پوچھنے کے بعد مکمل طبی معائنہ کیا جس سے یہ بات سامنے آئی کہ ان کی تلّی (Spleen) بہت بڑھی ہوئی ہے اور پورے پیٹ کو گھیرا ہوا ہے۔ (Massive Spleenomegaly reaching right Illiac Fossa) جو کہ خون کے ایک خاص کینسر جس کو Chronic Myeloid Leukemia کہتے ہیں، کی وجہ سے بڑھی ہوئی تھی۔ Bone Marrow کے ٹیسٹ کے بعد یہی بیماری کی تشخیص سامنے آئی۔ اس بیماری کی تین stages میں سے یہ Stage II تھی جس کو طبی شعبہ میں Chronic Myeloid Leukemia with Accelerated Phase کہتے ہیں۔ یہ حالت کسی بھی وقت Stage III یعنی Acute Leukemia میں تبدیل ہو کر جان لیوا ثابت ہو سکتی ہے۔

ہمارا یہ لیبارٹری انچارج کافی سمجھدار ہے۔ اس نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب کوئی ایسا طریقہ بتائیں کہ مریضہ کو اس کی بیماری کا علم نہ ہو کیونکہ ہمارے خاندان میں مفت مشورے دینے والے بہت ہیں۔ یہ بیماری سے تو نہیں مرے گی البتہ خاندان کے دانشوروں کے مشوروں سے مرے گی۔ اس کا جو بھی علاج ہے آپ کریں اور سنا ہے آپ کے پاس کوئی وظیفہ بھی ہے۔ وہ بھی دے دیں۔ بندہ نے بہت کہا کہ علاج کسی کینسر سپیشلسٹ سے کروائیں لیکن اس نے ایک نہ سنی۔ کہنے لگا کہ علاج تو آپ ہی کریں گے باقی جو اللہ کو منظور ہوگا وہی ہوگا۔ میں نے کہا چلو ٹھیک ہے۔

مریضہ کو بلا کر خوب حوصلہ دیا اور پُر امید کیا کہ انشاء اللہ آپ مکمل ٹھیک ہو جائیں گی۔ دوا کی پابندی ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کو ایک وظیفہ بھی پڑھنے کو دیتا

ہوں۔اس کی پابندی بھی ضرور کریں۔مریضہ نے حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ کے مرتب کردہ نقش کو بہت اعتقاد سے لیا۔لیبارٹری انچارج سے میں نے کہا کہ اس کا سارا ریکارڈ آپ اپنے پاس یہیں لیبارٹری میں رکھیں۔مریضہ جب چیک اپ کے لئے آئیں تو خود فائل لائیں۔اس طریقہ سے ہم نے مل کر علاج شروع کر دیا۔ مریضہ کے خاندان میں کسی کو معلوم نہیں کہ اس کو کیا بیماری ہے سوائے اس ایک بھتیجے کے جو کہ ہمارے ہاں کام کر رہا ہے۔

اللہ کی شان ایک ماہ کے علاج اور نقش کی پابندی سے تلّی (spleen) کا پھیلاؤ ۹۰ فیصد کم ہو گیا۔خون کی رپورٹیں بھی قریباً نارمل ہو گئی ہیں۔مریضہ کی اپنی صحت میں غیر متوقع بہتری ہے اور نقش پر اس کا یقین بن چکا ہے۔اس درجہ کی بیماری کے مریضوں کو بھی بندہ نے چند دنوں میں Acute Leukemia کے درجے میں تبدیل ہوتے دیکھا ہے جو کہ اکثر جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔

ساتواں واقعہ:

جمرود سے ایک ڈاکٹر صاحب اپنی اہلیہ کو جن کی عمر ۳۲ سال تھی علاج کے سلسلے میں لائے۔مریضہ کی تکلیف سننے اور معائنہ کے بعد خون کے کچھ ٹیسٹ کروائے جو خون کے کینسر کی نشاندہی کر رہے تھے۔ Bone Marrow کے ٹیسٹ کروانے پر اس مریضہ کی تشخیص بھی خون کے کینسر کی قسم Chronic Myeloid Leukemia in Accelerated Phase نکلی۔ان ڈاکٹر صاحب سے بندہ نے عرض کیا کہ کسی اچھے Oncologist یعنی کینسر کے ماہر ڈاکٹر سے اپنی اہلیہ کا علاج کروالیں۔ان کے خاندان کے دیگر افراد بھی علاج معالجے کے سلسلے میں بندہ سے رابطہ کرتے رہتے ہیں اس لئے انھوں نے بھی اسرار کیا کہ مجھے ڈاکٹر ہوتے ہوئے اس بیماری کی تفصیلات، علاج اور Oncologists معلوم ہیں لیکن علاج ہم نے آپ ہی سے کروانا ہے۔انھوں نے مزید کہا کہ ہم جانتے ہیں آپ کا تعلق حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی رحمتہ اللہ علیہ کے سلسلے سے ہے اور ساتھ ساتھ ڈاکٹر فدا محمد صاحب کے زیرِ نگرانی ہیں۔ان حضرات کی برکات

سے ہم بخوبی واقف ہیں لہٰذا آپ علاج شروع کر دیں۔ بندہ کو اندازہ ہوا کہ ان ڈاکٹر صاحب کو ہمارے اکابرین کی برکت پر اتنا اعتقاد ہے تو انشاء اللہ مریضہ ضرور صحت یاب ہو گی۔ متعلقہ علاج شروع کر دیا اور ساتھ ساتھ نقش دیا کہ اس کی پابندی ان ہی ہدایات کے مطابق کریں جو اس میں درج ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے بڑی خوشی اور اعتقاد اور محبت سے نقش کو لیا اور کہا کہ مجھے علاج کی دواؤں سے زیادہ اس نقش پر اعتقاد ہے۔ انھوں نے بھی اپنی اہلیہ کو یہ نہیں بتایا کہ انھیں خون کا کینسر ہے اور نہ ہی خاندان میں کسی اور کو بتایا کیونکہ اچھا خاصا پڑھا لکھا خاندان ہے اور بہت سے افراد پشاور میں سرکاری محکموں میں افسر ہیں لیکن بندہ کو پورا اندازہ ہے کہ باوجود افسر ہونے کے عاجزی کرنے والے لوگ ہیں۔ میں نے حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب سے اکثر سنا ہے کہ عاجز لوگوں کے مسئلے اللہ غیب سے حل فرماتے ہیں چاہے جیسے ہی مسئلے ہوں۔

مہینہ میں ایک یا دو مرتبہ یہ ڈاکٹر صاحب اپنی اہلیہ کو لاتے ہیں۔ الحمدللہ وہ مکمل صحت یاب ہو چکی ہیں۔ علاج جاری ہے۔ بہت قلیل عرصے میں مریضہ کی صحت یابی اور خون کی رپورٹوں میں واضح فرق نے خود ان ڈاکٹر صاحب کو بھی حیران کیا ہے۔ ایک مرتبہ اسی طرح مریضہ اپنے خاوند کے ساتھ معمول کے معائنہ کے لئے آئیں تو انھوں نے خود بتایا کہ اس مرتبہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ میرے والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اس پریشانی میں تین چار دن میں نے نقش نہیں پڑھا۔ اس دوران ہماری ایک رشتہ دار خاتون نے، جو کہ والد صاحب کی فوتگی پر ہمارے ہاں ٹھہری ہوئی تھی اور اس نقش کے بارے میں اسے کچھ علم نہیں تھا، خواب دیکھا کہ ایک بزرگ شخص اس کے خواب میں دو تین دن سے آ رہے ہیں اور ہر مرتبہ یہ کہتے ہیں کہ اپنی اس رشتہ دار سے کہو کہ نقش کیوں چھوڑ رکھا ہے! اس کی پابندی ہر صورت میں کرو۔ اسی میں تمہارا علاج ہے۔ جب اس خاتون نے اس خواب کا تذکرہ مجھ سے کیا تو میں بھی حیران کہ اس عورت کو تو اس نقش کی کوئی معلومات ہی نہیں۔ واقعی میں نے تین چار دن سے نقش نہیں پڑھا تھا۔ اس کے بعد میں نے پھر سے پابندی سے شروع کر دیا۔ اللہ کا شکر ہے مریضہ صحت یاب ہے اور علاج بھی ساتھ ساتھ جاری ہے۔

(جاری ہے)